ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

مئی ۲۰۰۲ء

لمعات

یکم مئی

اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری

لیڈر کی خصوصیات

تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار

The Status of Hadith

مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ ربُوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

قیمت فی پرچہ
-/15
روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور ۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/1000 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 55 | مئی 2002ء | شمارہ نمبر 5

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹینٹ/ڈسپیچ کلرک ---------- محمد زمرد بیگ

کمپوزر ---------- شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ---------- ایاز حسین انصاری

ناظم ---------- محمد سلیم اختر

ناشر ---------- عطاء الرحمٰن ارائیں

قانونی مشیر

- عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
- ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
- محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ
- اقبال ادریس ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور - فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
یکم مئی	سید حیات النبی رضوی	5
اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری	غلام احمد پرویزؒ	11
لیڈر کی خصوصیات	ثریا کوثر قیصرانی	32
تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار		
جدید سائنس کے انکشافات	ڈاکٹر علی نصیر عباسی	36
رپورٹ سیمینار	آصف جلیل	48
باب المراسلات		
1-	آصف جلیل	
2-	پروفیسر سید اعجاز احمد	52

ENGLISH SECTION

The Status of Hadith

A CORRESPONDENCE

Translated by Aboo B.Rana 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

قوموں کے دو ہی طبقے ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ جو عوام کے لئے قانون بناتا ہے اور اس قانون کے مطابق ان کے معاملات کے فیصلے کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ جو اپنے معاملات کے فیصلوں کے لئے پہلے طبقہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

قرآن نے ایک نظام دیا جس میں اول الذکر طبقہ کی نمائندگی سب سے پہلے خود نبی کریم صلعم کی ذات میں تھی۔ آپؐ سے کہا گیا کہ **وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقالما بین یدیہ من الکتٰب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ** (۵/۴۸)۔ اور ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے جو ان تمام آسمانی کتابوں کے ان حقائق کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور ان حقائق کو سچا کر کے دکھانے والی ہے لہٰذا تو تمام معاملات کے فیصلے اسی کتاب **(ماانزل اللہ)** کے مطابق کیا کر۔ اس کے ساتھ ہی نہایت وضاحت سے کہہ دیا کہ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون** (۵/۴۴) یاد رکھو جو شخص ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتا تو ایسے لوگ مومن نہیں، کافر ہیں۔ یہ ہے قرآن کا حکم پہلے طبقہ کے متعلق جن کے ذمہ عوام کے معاملات کے فیصلے کرنا ہوتا ہے۔

دوسرے طبقہ سے کہا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم**...... (۴/۶۵)۔ تیرا رب اس پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں کہلا سکتے تاوقتیکہ یہ اپنے تمام اختلافی امور کے فیصلوں کے لئے تیری طرف رجوع نہ کریں۔

یعنی قوم کی ہیئت حاکمیہ سے کہا گیا کہ اگر تم ماانزل اللہ کے مطابق قانون نہیں بناؤ گے تو تم مومن نہیں کافر ہو گے۔ اور قوم کے عوام سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے معاملات کو ان کی طرف نہیں لے جاؤ گے جو ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے کرتے ہیں تو تم مومن نہیں، کافر ہو گے۔

قرآن کے ان صریح احکام کی روشنی میں سوچئے کہ آج ہماری حالت کیا ہے؟ اس وقت جو لوگ فیصلے دینے کے مدعی ہیں ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو ملک کے لئے قانون بناتے ہیں اور دوسرے وہ جو شریعت کے مطابق فتوے دینے یا قانون

بنانے کے مدعی ہیں۔ قانون بنانے والوں کی حالت یہ ہے کہ ان کو اس کا قطعاً خیال نہیں کہ قانون **ماانزل اللہ** کے مطابق بننا چاہئے اور شرعی فتوے دینے والوں کی حالت یہ ہے کہ خود **ماانزل اللہ** کے مطابق فتوے دینا تو ایک طرف، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے فیصلے **ماانزل اللہ** کے مطابق ہونے چاہئیں وہ انہیں کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں۔

لہذا حالت یہ ہے کہ نہ فیصلہ کرنے والے **ماانزل اللہ** کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، نہ ہی ایسا فیصلہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ہی فیصلہ کرانے والے اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ان کے فیصلے **ماانزل اللہ** کے مطابق ہونے چاہئیں۔

اب سوچئے کہ اگر اس قسم کی قوم نمازیں پڑھے، روزے رکھے، زکوۃ دے، حج کرے تو خدا کی میزان میں اس کے ان اعمال کا کوئی وزن ہوسکتا ہے؟ سنئے کہ قرآن ان کے متعلق کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

الم ترالی الذین یزعمون انھم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفر وابہ و یرید الشیطن ان یضلھم ضلالاً بعیدا (۴/۶۰)

کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر بھی غور کیا ہے جو بزعم خویش سمجھتے یہ ہیں کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کی اور ان پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل کی گئیں اور ان کی عملی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات کے فیصلے غیر خدا کے قانون کی رو سے کرتے اور کراتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کہا یہ گیا تھا کہ وہ ہر غیر خداوندی قانون سے انکار کریں (اور اپنے فیصلے **ماانزل اللہ** کے مطابق کرائیں) ہم نے یہ حکم دیا تھا اور شیطان یہ چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو اس راستہ سے کہیں دور لے جائے۔

یاد رکھئے کہ آج ایمان کی طرف لے جانے والا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم کوشش کریں کہ قوم کا اوپر کا طبقہ ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنے کا قانون بنائے اور فیصلے کرانے والا طبقہ اپنے فیصلے **ماانزل اللہ** کے مطابق کرائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محققین قرآن سے لے کر عام طالب علم تک کے لئے ایک

اہم خوشخبری

محترم مفکر قرآن جناب پرویز صاحب کی عمر بھر کی قرآنی بصیرت یعنی لغات القرآن، مفہوم القرآن، تبویب القرآن اور قرآنی قوانین کو جو پانچ ہزار صفحات پر انسائیکلوپیڈیا کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے اسے بزم طلوع اسلام لاہور نے ایک ہی C.D. میں ایک خاص باہمی ربط کے ساتھ محفوظ کر دیا ہے۔

خواہش مند حضرات ادارہ طلوع اسلام، 25 بی، گلبرگ 2، لاہور سے صرف مبلغ 100 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ طلب فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید حیات النبی رضوی، کراچی

یکم مئی

قرآن کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے

یکم مئی 1886ء کو ''ھے مارکیٹ اسکوائر'' شکاگو امریکہ میں ایک بڑا حادثہ رونما ہوا جس کا اثر نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا پر پڑا۔ ایک صنعتی پلانٹ کے مزدوروں نے پولیس ایکشن کے خلاف ہڑتال کی اور مذکورہ بالا اسکوائر پر جمع ہوئے، اجتماعی اجلاس کے آخر میں کسی نامعلوم شخص نے بم کا دھماکہ کر دیا۔ بہت سے لوگ اور آٹھ پولیس والے بھی مارے گئے۔ متعلقہ حکام نے اس پرتشدد مظاہرہ کا سارا الزام مزدوروں پر ڈال دیا اور آٹھ مزدور لیڈروں کو اس الزام میں گرفتار کر لیا جبکہ یہ الزام کسی طور بھی ثابت نہ ہو سکا تھا کہ یہ مزدور لیڈر بم سازش میں شریک تھے۔ ان میں سے سات کو موت کی سزا سنائی گئی اور آٹھویں کو قید کیا گیا۔ سات میں سے چار کو پھانسی دے دی گئی اور ایک نے خودکشی کو فوقیت دی اور بقیہ دو کی موت کی سزا قیدِ سخت میں تبدیل کر دی گئی۔ یہ تین قیدی 1893ء میں ''الی نائیز'' کے گورنر جان آلٹ گیلڈ کے زمانے میں رہا کر دیئے گئے۔ مگر یہ تحریک یہیں ختم نہیں ہوگئی بلکہ ان مزدوروں کے خون نے رنگ لانا شروع کیا اور 1889ء میں ورلڈ سوشلسٹ پارٹیز کانگریس نے پیرس میں امریکہ کی مزدوروں کی تحریک کا ساتھ دیتے ہوئے مزدوروں کے لئے آٹھ گھنٹے یومیہ کام کا مطالبہ کیا، انہوں نے یکم مئی 1890ء کا دن اپنی تحریک کے بھرپور مظاہرہ کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد تو بہت سے ممالک میں یکم مئی مزدوروں کے دن کے طور پر منایا جانا شروع ہو گیا۔ بڑے بڑے جلسے، مظاہرے اور سیمینار بلکہ محنت کشوں کی پریڈ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ یہ دن امریکہ میں ستمبر کی تحریک کے مماثل بھی سمجھا جاتا ہے جب 1882ء میں اول اول آٹھ گھنٹے یومیہ کام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ حکومتوں اور مزدور تحریکوں نے متفقہ طور پر یکم مئی کو مزدوروں کے دن کے طور پر تسلیم کر لیا اور اس دن عام تعطیل ہونے لگی، اس دن دنیا کے مزدوروں کے سلسلے میں تقاریر اور دیگر تقاریب کا اہتمام ہونے لگا۔ اگرچہ یہ واقعہ تو شکاگو امریکہ میں وقوع پذیر ہوا تھا مگر بالشویک روس اور دنیا کے دیگر سوشلسٹ و کمیونسٹ ممالک میں اس کی بازگشت بڑی تیز آواز کے ساتھ سنی گئی اور اس دن کو بڑے شایانِ شان طریقے سے منایا جانے لگا۔ پاکستان میں بھٹو صاحب کے زمانے میں اس دن کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور یہ ایک عام تعطیل کا دن تھا مگر اب مرکزی سرکاری حکومت کی طرف سے یہ تعطیل ختم کر دی گئی ہے۔

جہاں جہاں یکم مئی مزدوروں کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے اس کے مظاہروں سے ایک بات کا بڑے بیّن طور پر پتہ چلتا ہے

کہ یہ اُن محنت کشوں کا دن ہے جو فیکٹریوں' کارخانوں اور مِلوں میں جسمانی محنت ومشقت کا کام انجام دیتے ہیں' ان مظاہروں میں مزدوروں کی ٹریڈ فیڈریشنیں' مزدور انجمنیں اور عام جسمانی محنت کش بھرپور طریقے سے شرکت کرتے ہیں اور معاشرے میں بھی یہ بات حقیقتِ ثابتہ کی طرح تسلیم کرلی گئی ہے کہ یہ مزدوروں کا دن ہے اور مزدور وہی ہوتا ہے جو جسمانی محنت ومشقت کے کام انجام دیتا ہے۔سوشلسٹ روس نے بھی جب مزدوروں کی اور کسانوں کی حکومت کا نعرہ دیا تو اپنے سرخ پرچم کے لئے درانتی اور ہتھوڑے کا نشان پسند کیا' گویا مزدور سے مراد کھیت مزدور اور فیکٹریوں میں جسمانی مشقت انجام دینے والے انسان تھے۔اگر ہم کسی لغت کو اٹھا کر دیکھیں تو وہاں بھی یہ نکتہ کارفرما نظر آتا ہے کہ مزدور کے بنیادی معنی میں جسمانی محنت و مشقت بنیادی عنصر ہے۔مزدور کا لفظ دراصل دولفظوں کا مرکب ہے' مُزد+ وَر جس کے معنی محنت مزدوری کا معاوضہ حاصل کرنے والا ہیں۔فارسی لفظ مُزد کے معنی مزدوری' اجرت' طلبِ تنخواہ' صلہ اور بدلہ کے ہیں۔اسی لئے مزدور کے معنی مزدوری کرنے والا یا اجرت پر کام کرنے والے کے ہیں۔ مزدوری کے معنی لغت میں کام کا معاوضہ' محنت کا صلہ' مشقت اور محنتانہ دیئے گئے ہیں جبکہ مزدوری کرنے کے معنی محنت مشقت کا کام کرنا ہیں۔

اس تمام بحث سے ہماری مراد یہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں مزدور یا اس کا ہم معنی لفظ بولا جاتا ہے اس سے انسانوں کا وہ گروہ مراد ہے جو جسمانی محنت ومشقت انجام دیتا ہو' خواہ وہ زمین کو پھاوڑے اور گیتی سے کھودتا ہو' فیکٹری یا کارخانے میں کام کرتا ہو' کھیت مزدور ہو یا مشینوں پر انتہائی محنت ومشقت کے ساتھ خدمات انجام دیتا ہو۔یورپ اور امریکہ میں ایسے لوگوں کے لئے ''نیلے کالر'' والوں کی اصطلاح عام ہے۔جو لوگ دفاتر' مدارس یا دیگر تجارتی وعلمی کام انجام دیتے ہیں وہ الگ گروہ شمار ہوتے ہیں اور ''وہائٹ کالر'' والوں کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔یکم مئی کے موقع پر جو ترانے اور گیت ریڈیو ٹیلی ویژن سے نشر کئے جاتے ہیں وہ بھی کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں۔

مزدور کے ماتھے پر محنت کا پسینہ ہے
ہر قطرہ ہے اک موتی' ہر موتی نگینہ ہے

گویا مزدور وہی ہے جو پسینہ بہا کر محنت ومشقت کی خدمات انجام دے رہا ہے اور اس گروہ میں وہ انسان ہرگز شامل نہیں ہیں جو حکیم' ڈاکٹر' اساتذہ یا سائنسدان وغیرہ ہیں۔

اس کے علاوہ ایک خیال آفرینی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ مزدوروں کا یہ طبقہ معاشرہ میں کمتر حیثیت کا حامل ہے جبکہ دوسرے طبقات اعلیٰ وارفع درجات رکھتے ہیں۔یوں تو محنت کی عظمت کے گن گائے جاتے ہیں' کہا جاتا ہے کہ حضورؐ اپنی جوتیاں خود گانٹھ لیا کرتے تھے' جنگِ خندق میں عام مزدوروں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم بھی آپؐ ہی کا ہے مگر ان تمام لن ترانیوں کے باوجود پرنالہ وہیں گرتا ہے کہ بندہ کوچہ گردی ہی کرتا رہتا ہے اور خواجہ بلند بام سے اترنے کا نام نہیں لیتا۔مزدور کی حیثیت معاشرے میں ڈھکی چھپی نہیں' ہمارے ہاں کمی کمین کے الفاظ اس بات کی بھرپور غمازی کررہے ہیں کہ ہاتھ سے کام کرنے والا کیا مقام رکھتا ہے' اس کے بیٹھنے کی جگہ کیا ہے' اسے دیگر لوگوں سے بات چیت کرنے کے لئے کن آداب کا خیال رکھنا ہوتا ہے' اس کے رشتے ناطے کن لوگوں سے ہوسکتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ اس کے خیال کی پرواز کیا ہونی چاہئے' بقول پرویز صاحب کے کہ نماز تو محمود و ایاز ساتھ ہی مساوات کے ساتھ ادا کرتے ہیں مگر نماز کے بعد ایاز نے محمود کے جوتے اٹھائے اور پیچھے پیچھے چل پڑا' گویا ہر شخص کی ایک حیثیت مقرر ہے'

آقا آقا ہے، مزدور مزدور ہے۔ بال جبریل میں علامہ اقبال نے لینن کی زبانی ''اللہ سے شکوہ'' کہلوایا ہے جس سے درج بالا کیفیات کا بھرپور اندازہ ہو جاتا ہے۔

''تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات''

اس بالِ جبریل میں علامہ فرماتے ہیں

''خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی''

بندہ و آقا کی یہ تفریق، محنت و مشقت کرنے والے اور دیگر امور انجام دینے والے گروہوں میں یہ زمین و آسمان کا بعد اور معاشرہ میں ہر اس شخص کو بری نظر سے دیکھنے کا رواج جو جسمانی محنت و مشقت کرتا ہو اور ہر اس شخص کی عزت کا تصور جو کم از کم محنت کرتا ہو بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ سب سے زیادہ عزت اس کی ہوتی ہے جو کچھ نہ کرتا ہو بلکہ عیش کی کھاتا ہو۔ جاگیردار، خوانین، وڈیرے اور سرمایہ دار اگر کچھ نہ کرتے ہوں صرف حقہ گڑگڑاتے، اپنے کمی کمینوں پر احکامات صادر کرتے نظر آئیں تو ان کو حد درجہ قابل عزت، پرشکوہ اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان باتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے اور تجزیہ کیا جائے تو جو بات نکھر اور ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ محنت کرتے ہیں اور بعض لوگ نہیں کرتے اور معاشرہ نے ان گروہوں کی عزت و تکریم کے اپنے معیار بنا لئے ہیں۔ نیز یہ کلیتہً سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر شخص کے لئے محنت کرنا ضروری نہیں، جس قدر محنت سے دور ہوں گے اسی قدر لائق احترام۔ یہ سب انسانوں کا خود ساختہ نظام ہے جس کی سزا مختلف گروہ بھگت رہے ہیں۔

اس ضمن میں اور اس موڑ پر فکر کا تقاضا ہے کہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم کیا رہنمائی کرتا ہے اور اس کی تعلیمات کیا ہیں، کیا وہ ان نظریات سے متفق ہے یا اس کی اپنی کوئی راہ ہے۔ محنت کے موضوع پر قرآن کریم کی 53 ویں سورت النجم کی 39 ویں آیت ایک ایسی چمکتی ہوئی روشن راہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے تمام معاملہ بالکل صاف، نکھر اور ابھر کر سامنے آ جاتا ہے اور تمام اشکال حل ہو جاتے ہیں، ارشاد ہے:

وان لیس للانسان الا ماسعی۔ جس کے معنی ہیں کہ انسان کو اس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جس کے لئے اس نے محنت نہ کی ہو، گویا وہ صرف محنت کے ماحصل ہی کا حقدار ہے گویا:

''قرآنِ کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے''

یہ آیۂ کریمہ تمام انسانی گروہ کا رتبہ، درجہ اور ان کی حیثیت متعین کر دیتی ہے اور معاشرہ کی اس تفریق کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے جس نے محنت و مشقت کی بنیاد پر انسانوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا، ہر انسان پر ماسوا بچوں اور معذوروں کے محنت کا فریضہ از بس ضروری ہے اور وہ اپنی زندگی گزارنے کے لئے جو دولت یا اثاثہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اسے محنت کرنی ہوگی، بغیر محنت کئے اس کا کسی چیز پر حق نہیں۔ جب معاشرہ میں ہر شخص محنت کا پابند ہوگا تو ہر شخص محنت کش ہوگا، ہر شخص ''مزدور'' ہوگا اور اس طرح یکساں عزت کا حقدار ہوگا۔ معاشرہ میں یقیناً درجات ہوں گے مگر وہ اختلاف افعال کی وجہ سے ہوں گے، لوگوں کا مختلف اشغال کی طرف مائل ہونا اور مختلف پیشے اختیار کرنا بھی اللہ کی رحمت ہے ورنہ مختلف امور کا انجام پانا اور لوگوں کے اذواق کا مختلف نہ ہونا معاشرہ میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ سورۂ

الزخرف جو قرآن کریم کی 43 ویں سورت ہے اس کی آیت 32 ملاحظہ فرمائیے:

اھم لقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا (43/32)۔

(ترجمہ) کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔

اب اگر محولہ بالا دونوں آیات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ انسان کا تعلق خواہ کسی گروہ سے ہو یعنی خواہ وہ جسمانی محنت و مشقت کرتا ہو چاہے اس کا ذریعہ آمدنی ذہنی کاوش ہو، ہر دو ذرائع میں محنت کا عنصر قدر مشترک ہوگا' اگر حصول زر کا کوئی ایسا ذریعہ تلاش کیا گیا ہے جس میں محنت موجود نہیں تو وہ اللہ کی نظر میں جائز نہیں اور ایسے ذریعہ سے اجتناب ضروری ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے جو ذرائع آمدنی اختیار کئے جاتے ہیں ان کو عمومی طور پر پانچ طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) عطیہ: کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کر دے مگر اس میں لین دین کا معاملہ نہیں ہوتا۔

(۲) اجرت: محنت کا معاوضہ ہوتا ہے اس میں سرمایہ کچھ نہیں لگایا جاتا۔

(۳) ربوٰ: دوسرے کو سرمایہ دیا جاتا ہے اور اس سرمایہ پر اصل سے زائد وصول کیا جاتا ہے' سرمایہ دینے والا محنت نہیں کرتا بلکہ دوسرے کی محنت کا ایک حصہ وصول کرتا ہے۔

(۴) منافع: تجارت میں حاصل ہوتا ہے جس میں سرمایہ بھی لگایا جاتا ہے اور محنت بھی کی جاتی ہے۔

(۵) قمار: قمار و میسرہ (جوئے) میں نہ سرمایہ لگایا جاتا ہے نہ محنت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے عطیہ' اجرت اور منافع حلال جائز ہیں جبکہ ربوٰ اور قمار کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ عطیہ میں تو چونکہ لین دین کا معاملہ ہوتا ہی نہیں اس لئے اس میں کسی قسم کی گفتگو کی زیادہ ضرورت نہیں البتہ جن دو چیزوں (اجرت اور منافع) کو جائز قرار دیا گیا ان میں محنت کا عنصر موجود ہے۔ اور جن دو چیزوں کو حرام قرار دیا گیا (ربوٰ اور قمار) ان میں محنت سرے سے موجود نہیں۔ گویا محنت ہی وہ رکنِ رکین ہے جو ذرائع آمدنی اور ہمارے نظامِ اقتصاد کی جڑ ہے' اصل و بنیاد ہے۔ اس موقع پر اگر اس بات کی بھی وضاحت کر دی جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ قرآنِ کریم کی رو سے جہاں ہر گروہ کے لئے محنت کا عنصر ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ سورۂ النساء کی 32 ویں آیت میں واضح کر دیا گیا کہ:

ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن (4/32)۔

(ترجمہ) اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو ان کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے۔

ہم نے اوپر سورہ النجم کی 39 ویں آیت کا جو حوالہ دیا ہے وہی ہمارے نظامِ اقتصاد کا قبلہ بھی متعین کرتی ہے۔ ہمارے ماہرین اقتصادیات جن کو اصلاً بوجھ بجھکڑ کہنا چاہئے وہ عوام الناس کو شراکت اور مضاربت جیسی اصطلاحات سے مرعوب کر کے موجودہ سودی بنکاری نظام کو مشرف بہ اسلام کرنے کے چکر میں لگے رہتے ہیں حالانکہ ان اصطلاحات کا تعلق دور کا بھی قرآن کریم سے نہیں ہے بلکہ حقیقتاً جن نظریات کا یہ پرچار کرتی ہیں وہ قرآن کریم کے نقیض

ہیں، یہ اصطلاحات مسلمانوں کے دور ملوکیت کی پیداوار ہیں۔ یہ ماہرین اقتصادیات ایک نکتہ بڑے فخر کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ اسلامی بنکاری میں منافع (سود) متعین نہیں ہوگا اور اس طرح یہ شیر مادر کی طرح حلال ہو جائے گا۔ یہ حضرات اگر ذرا سا اس بات پر غور کر لیتے کہ قرآن کریم نے سورہ بقرہ کی 275 ویں آیت میں اس بات کی تشریح کر دی ہے کہ تجارتی منافع اور ربوٰ (سود) ایک جیسے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ربوٰ کو حرام اور تجارت کو حلال قرار دیا ہے۔ تجارتی منافع کو حلال کیوں قرار دیا اور سود کو حرام کیوں قرار دیا گیا، یہ بات بالکل واضح ہے کہ تجارت میں سرمایہ ضرور لگایا جاتا ہے مگر اس میں محنت بھی کی جاتی ہے اور دراصل یہ منافع اسی محنت کا ہوتا ہے، ہمارے بزرگ ''آٹے میں نمک'' کی بات ایسے موقع پر اسی لئے کہتے تھے۔ اب تجارت میں سرمایہ کا منافع (سود) بھی شامل کر لیا گیا ہے اور محاورہ الٹ گیا ہے یعنی ''نمک میں آٹا'' منافع ہونے لگا ہے۔ رہی بات ربوٰ کی تو اس کو اس لئے حرام قرار دیا گیا اور اسے تجارتی منافع کے غیر مماثل قرار دیا گیا کیونکہ اس میں محنت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اور یہ سرمایہ پر بڑھوتری ہوتی ہے جو ناجائز ہے۔

احادیث وروایات میں ایسی امثال بکثرت موجود ہیں جو شراکت و مضاربت کی نفی کرتی ہیں۔ صحاح ستہ کی ایک روایت حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ:

''میں نے اپنے دونوں چچاؤں (ظہیر اور مہیر) سے سنا جبکہ وہ دونوں اپنے محلّہ والوں سے کہہ رہے تھے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمادی ہے۔''

یہی راوی اپنے ماموں سے نقل کرتے ہیں۔

''میرے ماموں ایک دن آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی بات سے منع فرمادیا ہے جو تم لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش تھی مگر اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری ہمارے اور تمہارے لئے کہیں زیادہ نفع بخش ہے۔ رسول اللہ صلعم نے تہائی اور چوتھائی پر اور کرایہ پر زمینیں دینے سے بالکل منع فرمادیا ہے۔''

(کنز العمال)

جابر بن عبداللہؓ سے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ۔

''جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ زمین ہو اسے وہ خود ہی کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو بخش دے یا اپنی زمین کو یونہی پڑا رہنے دے۔''

ان احادیث وروایات سے بھی اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ذرائع آمدنی کے لئے از خود محنت کی ضرورت ہے۔ دوسرے کی محنت پر آکاس بیل بن کر گزارہ کرنا حرام قطعی ہے اور ناجائز۔ محنت ہی وہ ذریعہ ہے، وہ عنصر ہے جو ہماری آمدنی کا واحد منبع و مخرج ہے اور اسی میں عظمت ہے۔ ہر شخص اپنا ذریعہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے چونکہ محنت پر مجبور ہے اس لئے ہر انسان از روئے قرآن کریم محنت کش ہے اور مزدور ہے خواہ وہ کسی قسم کی بھی محنت کرتا ہو، جسمانی یا دماغی۔ اسی نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف علامہ اقبال کے وہ اشعار نقل کرتا ہے جو انہوں نے خضر سے سوال جواب کی صورت میں بیان کئے ہیں۔ خضر سے سوال کیا گیا:

''زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟''

خضر کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقابلہ مضمون نویسی

دہشت گردی (TERRORISM) اور اسلام

شرائط:-

☆ اس مقابلہ میں کالج/ یونیورسٹی کے طلباء وطالبات حصہ لے سکتے ہیں۔
☆ قرآن کریم کا حوالہ دیتے ہوئے سورہ اور آیت نمبر ضرور لکھیں۔
☆ حدیث رسول اکرمؐ درج کرتے ہوئے ماخذ کا حوالہ بالتصریح ضروری ہے۔
☆ تاریخ، فقہ، آثار اور عصرِ حاضر کے حالات وواقعات بھی حوالہ کے ساتھ درج ہونے چاہئیں۔
☆ مضامین/ مقالات 25 جون 2002ء تک بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک درج ذیل ایڈریس پر مل جانے چاہئیں۔

اول انعام	:-	Rs.2,000 + CD مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
دوم انعام	:-	Rs.1,500 + CD مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
سوم انعام	:-	Rs.1,000 + CD مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

منصفین کا فیصلہ حتمی ہو گا جسے چیلنج نہیں کیا جا سکے گا

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی (ایگزیکٹو ہیڈ، طلوعِ اسلام ٹرسٹ)
B - 25 گلبرگ 2، لاہور 54660 پاکستان

یکے از پراجیکٹس طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بسلسلہ
سال اقبال رح
2002ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

آپ نوع انسان کی تاریخ پر غور کیجئے۔ جس زمانہ میں، جس ملک میں، اور جس قوم میں آپ کو فساد آدمیت کی جھلک نظر آئے گی، تحقیق کے بعد معلوم ہوگا کہ اس فساد انگیزی کے عوامل و عناصر تین ہی ہوں گے۔۔ یعنی ملوکیت، مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری۔۔ زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ یہ عفاریت، اپنا پیکر بدلتے رہیں گے۔ لیکن روح ہر زمان اور ہر مکان میں وہی کارفرما ہوگی۔ اگر آپ قرآن کریم پر نگاہ تعمق غور کریں گے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجائے گی کہ حضرات انبیاء کرامؑ کی دعوت، انہی فساد انگیز عناصر کے خلاف، نعرۂ انقلاب تھی۔ وہ انسانوں کو نظام خداوندی کے مرکز پر جمع کرتے تاکہ ملوکیت، مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری کے تختوں کو الٹ دیا جائے۔ انبیائے گذشتہ کے کوائف اور امم سابقہ کی داستانیں، جو قرآن میں مذکور ہیں، وہ اسی کشمکش کی سرگذشت اور اسی انقلابی جدوجہد کی تفاصیل ہیں۔ ان داستانوں میں، قصۂ بنی اسرائیل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس کشمکش میں، فساد آدمیت کے یہ تینوں گوشے یکجا سامنے آگئے تھے۔ یعنی فرعون، استبداد ملوکیت کا مجسمہ۔ ہامان، مذہبی پیشوائیت کی روباہ بازیوں کا پیکر اور قارون، سرمایہ داری کی خون آشامیوں کا نمائندہ۔۔ یہ تینوں یکجا، اور ان کے پنجۂ فولادی کی گرفت میں تڑپتی، پھڑکتی قوم بنی اسرائیل جس کی رستگاری کے لئے ایک چھوڑ، دو دو اولوالعزم پیغمبر (صاحب ضرب کلیم، حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ) نبرد آزما۔۔ اور اگر تاریخ کا بیان صحیح ہے تو وادیٔ سینا میں ایک اور پیغمبر حضرت شعیبؑ ان کے مددگار۔

انقلاب عظیم

یہ کشمکش حق و باطل، یہ چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری، اسی طرح مسلسل چلی آرہی تھی کہ آج سے چودہ سو سال پہلے، خدا کی آخری کتاب۔۔۔ **قرآن کریم**۔۔ اور اس کا آخری رسول۔۔ **نبی اکرمؐ**۔۔ نوع انسان کو ان فساد انگیزیوں سے نجات دلانے کے لئے آئے۔ قرآن کریم نے حضورؐ نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا ہے کہ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ‹۷/۱۵۷›

وہ ان زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں انسانیت جکڑی ہوئی چلی آرہی تھی۔ اور ان بوجھل سلوں کو اس کے سر سے اتار دے گا جن کے نیچے وہ کچلی جارہی تھی۔۔۔

نبی اکرمؐ نے اپنی عدیم المثال انقلابی جدوجہد سے' ملوکیت' مذہبی پیشوائیت' اور نظام سرمایہ داری کی ان زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا اور اس طرح خدا کی مخلوق دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو گئی۔

نقش قرآں تا دریں عالم نشست
نقش ہائے کاہن و پاپا شکست

حیرت انگیز رجعت

لیکن یہ دورِ حریت و آزادی تھوڑے عرصہ تک قائم رہا اور اس کے بعد خود مسلمانوں نے ان زنجیروں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو ''مژگان عقیدت'' سے ایک ایک کر کے چنا اور اس طرح اپنے گلے میں ڈال لیا کہ پھر کوئی قوت انہیں توڑ نہ سکے۔ میں اس وقت اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ ایسا کس طرح ہوا۔ 1 اس وقت میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ آسمان کی آنکھ نے اس سے زیادہ حیرت انگیز تماشا کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ:۔

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِ تختِ ملوکیت نشست

جب ہم اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو محوِ حیرت رہ جاتے ہیں کہ مسلمان اس غیر قرآنی زندگی کا اس قدر خوگر ہو چکا ہے کہ اس کے نزدیک ''قفس حلال اور آشیانہ حرام'' ہے۔ اس کے اسباب و علل ظاہر ہیں۔ مفاد پرست گروہ نے اقتدار کی کرسیوں اور رزق کے سرچشموں پر قبضہ کر لیا۔ مذہبی پیشوائیت نے اس خلاف اسلام نظام کو عین اسلام ثابت کرنے میں ''شرعی سندات'' مہیا کر دیں۔۔ ارباب حکومت ان کے وظیفے مقرر کر دیتے تھے اور یہ منبروں پر کھڑے ہو کر' انہیں ''ظل اللہ علی الارض'' قرار دیتے اور ان کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یہ وہی فرعون' ہامان اور قارون کی ملی بھگت تھی جسے قرآن نے داستان بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اس شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ گمان غالب ہے کہ اس دوران میں خدا کے ایسے بندے بھی پیدا ہوئے ہوں گے' جنہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی ہو۔ لیکن جیسا کہ ہر مستبد نظام کیا کرتا ہے' ان کا گلا گھونٹ دیا گیا اور ان کے آثار تک کو مٹا دیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ آج ہمارے ہاں ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کی تاریخ تو پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں کا ذکر تک کہیں نہیں ملتا' بجز اس کے کہ اس تاریخ میں کہیں طعن و تشنیع کے ساتھ انہیں ہدف ملامت بنا دیا گیا ہو۔ اس سارے طوفان بلا میں اگر امید کا کوئی سہارا ہے تو وہ یہ کہ خدا کی کتاب کے الفاظ ہمارے ہاں محفوظ چلے آتے ہیں۔

یہی تھی خدا کی وہ کتاب محفوظ جس پر ہمارے دور کے ایک عظیم مفکر نے عمر بھر غور و فکر کیا اور اس کے بعد اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں امت کے سامنے پیش کیا کہ اس کی یہ حالت اس لئے ہوئی ہے کہ۔

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر
سود خوار و والی و ملاّ و پیر

اور اس نے مسلمان کو مخاطب کر کے کہا کہ:۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

میں آج کی نشست میں، مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو آپ کے سامنے لانے کی کوشش کروں گا کہ قرآن کریم نے فساد آدمیت کے ان تینوں گوشوں۔۔ ملوکیت، مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری۔۔ کے متعلق کیا کہا ہے اور اقبالؒ نے اپنے حسین و بلیغ انداز میں اس کی کس طرح تشریح کی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملوکیت

ہمارے ہاں، ملوکیت سے مراد موروثی بادشاہت لی جاتی ہے۔ یعنی باپ کے بعد بیٹے کا تخت نشیں ہونا۔ دنیا کے عام تصور کے مطابق بھی، ایک فرد کی حکومت کو پہلے ملوکیت (Monarchy) یا شخصی اقتدار (Autocracy) کہا جاتا تھا اور اب اسے آمریت (Dictatorship) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے آگے بڑھئے تو اگر کسی ملک پر اس ملک کے رہنے والوں کی حکومت ہے تو اسے آزادی کہا جاتا ہے اور اگر اس پر کسی دوسرے ملک کی قوم حکمران ہے تو اسے محکومی کہا جاتا ہے۔ آزادی اور محکومی کا یہ تصور تو دنیا میں اب تک موجود ہے لیکن انقلاب فرانس نے، ایک جدید سیاسی نظام کو جنم دیا جسے جمہوریت یا ڈیموکریسی کہہ کر پکارا گیا۔ لفظی طور پر تو اس سے مفہوم ہے پوری کی پوری قوم کی حکومت، لیکن عملاً اس سے مراد ہے نمائندگان قوم میں سے اس پارٹی کی حکومت جسے اکثریت حاصل ہو۔ یعنی اس میں اقتدارِ مملکت، ایک فرد کے بجائے ایک گروہ کو حاصل ہوتا ہے۔ میں اس وقت اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ دو سو سال کے تجربہ نے اس جمہوریت کے متعلق خود یورپ کے ارباب فکر و نظر اور اصحاب سیاست و عمرانیت کو کسی نتیجے پر پہنچایا ہے اور وہ کس طرح اس کے ہاتھوں تنگ آ چکے ہیں۔ میں اس وقت اس کی ایک عملی مثال پر اکتفا کروں گا۔ ایک حلقہء نیابت میں ووٹ قاعدے اور قانون کے مطابق صحیح صحیح بنتے ہیں۔ اس حلقہ کا ایک بدمعاش اور غنڈہ، جو امیدواری کی تمام قانونی شرائط پوری کرتا ہے، بطور امیدوار کھڑا ہو جاتا ہے۔ انتخاب کے وقت کوئی دھاندلی نہیں ہوتی۔ یعنی ووٹنگ، قاعدے اور قانون کے مطابق صحیح صحیح ہوتی ہے اور وہ امیدوار کثرت رائے سے کامیاب قرار پا جاتا ہے۔ وہ اس حلقہء نیابت کا جائز نمائندہ متصور ہو گا۔ ان انتخابات کے نتیجہ میں اگر اکثریت اسی قسم کے نمائندوں کی ہو، تو انہیں اپنی حکومت قائم کرنے کا جائز حق حاصل ہو گا۔ اسے اس مملکت کی آئینی حکومت تسلیم کیا جائے گا جسے آئینی طور پر کوئی برطرف نہیں کر سکے گا۔ ان کی پارلیمان کے وضع اور منظور کردہ قوانین، جو آئینِ مملکت کی قانونی شرائط پوری کریں، مملکت کے جائز قوانین قرار پائیں گے جنہیں ملک کی بڑی سے بڑی عدالت بھی چیلنج نہیں کر سکے گی۔

یہ ہے ملخص اس نظامِ جمہوریت کا جو اس وقت ساری دنیا کے آئینی ممالک میں رائج ہے اور جسے انسانی تدبر سیاست کی معراج قرار دیا جاتا ہے۔ یہی ہے وہ نظام جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ:۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے
(ضربِ کلیم)

اور ''بندوں کو نہ تولنے'' کے نتیجہ کے متعلق انہوں نے اس سے

بھی بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ:۔

کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

اس قسم کے طرز حکومت کے تابع جس قسم کی آزادی نصیب ہو گی، ظاہر ہے۔ محض عددی (گنتی کی) اکثریت کے فیصلوں کے متعلق قرآن کریم نے واضح انداز میں کہہ دیا تھا کہ:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۶/۱۱۷)

اگر تم محض اکثریت کو معیار اطاعت قرار دے لو گے تو صحیح راستے سے بھٹک جاؤ گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن کریم نے انسانی آزادی اور محکومی کا بنیادی تصور ہی بدل دیا۔ اس نے کہا کہ انسانوں پر حکومت کا حق کسی کو حاصل ہی نہیں۔ نہ ایک فرد کو، اور نہ افراد کی کسی جماعت کو۔۔ **مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّىْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳/۷۸)** کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں۔ خواہ اسے ضابطہء قوانین اور اقتدار امور، حتیٰ کہ نبوت تک بھی کیوں نہ مل چکی ہو، کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں بلکہ میرے محکوم و فرماں بن جاؤ۔ حق حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ **اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۲/۴۰)** اور اس کی عملی شکل یہ ہے کہ کاروبار مملکت، خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق سرانجام پائے۔ **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴)**۔ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق نظام مملکت قائم نہیں کرتے، تو انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۵/۴۵)**۔ یہ لوگ ظالم ہیں۔ انسانوں کو حاکم اور محکوم کے طبقات میں تقسیم کر دینے سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا، قرآن کی رو سے مملکت، قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کی ایجنسی ہے اور یہ فریضہ امت کے باہمی مشورے سے طے پاتا ہے کہ: **وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸)** خدا کا ارشاد ہے۔ اس تصور کی رو سے، ایک ملک پر اگر خود اس ملک کے رہنے والے حکمران ہوں، اور حکومت کا انداز مغربی جمہوریت بھی ہو، لیکن کاروبار مملکت، خدا کی کتاب کے مطابق سرانجام نہ پا رہا ہو، تو وہ آزادی نہیں غلامی ہے۔ اسے ملوکیت کہا جائے گا۔ لیکن اگر نظام مملکت، قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہو اور امور مملکت امت کے باہمی مشورے سے طے پائیں، تو یہ آزادی ہے۔ خواہ طرز حکومت۔۔۔(Form of Government)۔۔۔ کسی قسم کا ہو۔ اسے ہماری اصطلاح میں ''خلافت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں تصورات حکومت، (ملوکیت اور خلافت) ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک اسلامی ہے اور دوسرا غیر اسلامی۔ یہ جو آج کل کہا جاتا ہے کہ صدارتی نظام جمہوریت غیر اسلامی ہے اور پارلیمانی سسٹم مطابق اسلام، تو یہ محض سیاسی نعرہ بازی ہے۔ اگر حدود اللہ کے تابع نہیں تو دونوں غیر اسلامی ہیں۔ اسلامی نظام جمہوریت اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے، قوم کے مشورہ سے کاروبار مملکت سرانجام پائے۔

مسلمان، خلافت کے تصور کو فراموش کر چکا تھا۔ دوسری طرف یورپ نے نظام جمہوریت کے حق مین اس قدر پراپیگنڈہ کیا کہ ساری دنیا اس سے مسحور ہوگئی اور یہ سمجھنے لگی کہ جنت سے نکلے ہوئے آدم نے پھر سے فردوس گم گشتہ کو پالیا ہے۔ وہ اس نظام کو آیہء رحمت اور نوع انسانی کے لیے سحابِ کرم خیال کرتی تھی۔۔۔ ان کی دیکھا دیکھی، خود مسلمان، بھی اسے انعام خداوندی سمجھنے لگا اور یہ آوازیں چاروں طرف سے اٹھنی شروع ہوگئیں کہ نظام جمہوریت عین مطابقِ اسلام ہے۔ اس ہنگامہء ہائے وہو، اور تلاطم شور وشغب میں، جبکہ ساری فضا اسی قسم کے نعروں سے گونج رہی تھی، اقبالؒ کی فراست قرآنی نے اس فتنہ کو بھانپا اور اپنی بھرپور آواز سے مسلمانوں کو للکار کر کہا کہ اس فریب میں مت آؤ۔؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد، جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

اس نے کہا کہ یاد رکھو! نظام حکومت جمہوری ہو یا شخصی، اگر اس کی اساس خدا کی کتاب پر نہیں تو وہ ملوکیت ہے۔ اس کے برعکس، جس نظام کی بنیاد، ضابطہء قوانین خداوندی پر ہے وہ عین اسلام ہے۔ اسے خلافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور؎

خلافت بر مقامِ ماگواہی است
حرام است آنچہ برما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظ ناموس الٰہی است

اس لئے ہر وہ نظام جس میں غیر قرآنی قوانین رائج ہوں، ملوکیت ہے اور ظلم واستبداد کا مظہر!؎

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اقبالؒ کی آخری کتاب، ارمغان حجاز، (جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی) ایک نظمؒ ہے جس کا عنوان ہے۔۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ۔۔ میرے نزدیک وہ عصر حاضر کی تہذیب وتمدن اور سیاست وحکمت پر شدید ترین تنقید ہے اور فکر اقبالؒ کا نچوڑ......... اس کے ساتھ ہی، اسلام کے ایک زندہ ومتحرک نظام حیات بننے کے خلاف جو قوتیں نہایت غیر محسوس طور پر مصروف تگ وتاز ہیں، اس میں ان کی نشاندہی اور نقاب کشائی بڑے شوخ اور حسین انداز سے کی گئی ہے۔ نظم کا پلاٹ یہ ہے کہ ابلیس کی کابینہ (Cabinet) کا اجلاس ہو رہا ہے، جس کی صدارت خود ابلیس کر رہا ہے۔ اس کابینہ میں ان تمام عوامل کو ایک ایک کر کے سامنے لایا جارہا ہے جو ابلیسی نظام کے ضعف کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ عوامل زیر بحث آتے ہیں اور متعلقہ مشیر (وزیر) یہ بتاتا ہے کہ اس نے اس کی مدافعت کے لئے کیا حربہ تجویز کیا ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جمہوری نظام کی نمود اس حقیقت کی غماز ہے کہ انسان اس نظامِ ملوکیت سے تنگ آچکا ہے جسے ابلیس نے مدت ہوئی وضع کیا تھا۔ اگر انسان نے اس نظام نو کو اختیار کر لیا تو پھر ابلیسی نظام کو زوال آجائے گا۔ چنانچہ اس مشیر نے وزیر سیاست سے دریافت کیا کہ:؎

خیر ہے سلطانیء جمہور کا غوغا کہ شر!
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

وزیر امور سیاسیہ مسکرایا۔ اور کہا کہ "ہوں!"، یعنی میں ان سب تازہ فتنوں سے باخبر ہوں ۔

ہوں! مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پرتو ہو کیا اس سے خطر؟
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر

بات یہ ہے کہ: ۔

کاروبار شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

یہاں اقبالؒ نے کہا ہے کہ۔۔ ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر۔۔ بال جبریل میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے۔۔گداء۔۔وہ اس میں کہتے ہیں۔ ۔

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا؟
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے؟
کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا؟
اس کے آب لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا!
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مرد غریب و بے نوا!
مانگنے والا گدا ہے! صدقہ مانگے یا خراج!
کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطاں سب گدا

بال جبریل میں ایک غزل کا مطلع اسی اسلوب کا ہے، جس میں کہا ہے: ۔

نگاہِ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو، وہ قیصری کیا ہے!

لفظ سکندر سے ذہن کا رخ، ضرب کلیم کی اس برجستہ نظم کی طرف منتقل ہو گیا جس میں ایک بحری قزاق اور سکندر کا مکالمہ سامنے لایا گیا ہے۔ شاہنشاہ سکندر، قزاق سے کہتا ہے کہ: ۔

صلہ تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق نے جواب دیا: ۔

سکندر! حیف تو اس کو جواں مردی سمجھتا ہے
گوارا اس طرح کرتے ہیں ہم چشموں کی رسوائی!
ترا پیشہ ہے سفاکی، میرا پیشہ ہے سفاکی
کہ ہم قزاق ہیں دونوں، تو میدانی میں دریائی!

اقبالؒ نے ملوکیت کے خلاف اسی انداز میں بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن وہ اس حقیقت کو بھی نمایاں کر کے سامنے لاتے ہیں کہ۔۔۔ زمانہ قدیم کی ملوکیت اور عصر حاضر کی جمہوریت اصل کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔۔ فرق صرف یہ ہے کہ دور جہالت کی شخصی ملوکیت جو کچھ کرتی تھی کھلے بندوں کرتی تھی۔ لیکن عصر حاضر کی "جمہوری ملوکیت"، وہی کچھ تہذیب کی اوٹ میں اور مفاد عامہ کے تحفظ کے نقاب میں کرتی ہے۔ اس

زمانے کی سلب و نہب (Exploitation) کو بادشاہ اپنا حق سمجھتا تھا۔ اس زمانے کی ''ملوکیت'' اس سلب و نہب کو (Public Interest) کہہ کر عوام کو دھوکا دیتی ہے۔

یہ ہے وہ جمہوریت جس کا۔۔ چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر۔۔۔ ہے۔

یہ تھا وہ جواب' جو ابلیس کی مجلس شوریٰ میں' وزیر امورِ سیاسیہ کی طرف سے دیا گیا۔ ابلیس کا یہ حربہ کس قدر کارگر ہے' اس کی تشریح اقبالؒ نے' بال جبریل کی ایک نظم میں کی ہے جس کا عنوان ہے۔۔ ''ابلیس کی عرض داشت''۔۔ ابلیس خدا کے حضور ایک درخواست لے کر پہنچتا ہے جس میں تفصیل سے بتاتا ہے کہ اس دور میں' کار پردازانِ نظامِ مملکت' ان فرائض کو جو ابلیس کے سپرد کئے گئے تھے' کس حسن و خوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اس لئے اب اس کی (ابلیس کی) اس کرۂ ارض پر ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسے کہیں اور ''ٹرانسفر'' کر دیا جائے۔ وہ بحضور رب العزت عرض کرتا ہے کہ:۔

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست

باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک!

میرے یہاں سے چلے جانے سے' اہرمنی سیاست کے کاروبار میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ اور زیادہ چمک اٹھے گا۔ اس لئے کہ:۔

تیری حریف ہے یارب سیاستِ افرنگ

مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے!

بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

پھر میری تو کیفیت یہ ہے کہ ہر شخص میرا نام سننے پر (زبان ہی سے سہی) لاحول پڑھتا ہے لیکن ۔

شیاطین ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو

کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری!

یوں اقبالؒ نے دورِ حاضر کی اس ملوکیت (یعنی مغربی نظام جمہوریت) کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

مذہبی پیشوائیت

اب برادرانِ عزیز! آگے بڑھئے:

آپ انسانی نفسیات پر غور کیجئے۔ دنیا میں کوئی انسان بھی کسی دوسرے انسان کا محکوم اور غلام بننا نہیں چاہتا۔ اس کی طبیعت ان زنجیروں کے خلاف اِبا کرتی ہے۔ پھر یہ کیا ہے کہ انسانوں کا گروہِ عظیم' ایک انسان یا انسانوں کے گروہ کی محکومی اور غلامی پر اس طرح رضامند ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف بغاوت کرنا تو ایک طرف اس کے دل میں اس کے خلاف نفرت کا جذبہ تک پیدا نہیں ہوتا؟ یہ کام مذہبی پیشوائیت کرتی ہے۔ اس کی سحر آفرینی کا اثر ہے کہ۔۔ صید خود صیاد را گوید بگیر!۔۔

برہمن عوام کو یہ کہہ کر افیون پلاتا ہے کہ راجہ ایشور کا اوتار ہے۔ کلیسا کا اُسقف' سادہ لوح انسانوں سے کہتا ہے کہ بادشاہ کو حقوقِ خداوندی (Divine Rights) حاصل ہوتے ہیں۔ محراب و منبر سے یہ سحر آفریں الفاظ دہرائے جاتے ہیں کہ۔۔ السلطان ظل اللہ علی الارض۔۔ بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ اس لئے بادشاہ کے حکم کی تعمیل

درحقیقت اطاعت خداوندی ہے۔ جو اس سے سرتابی کرتا ہے' وہ خدا کی معصیت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس قسم کے وعظ کہتا رہتا ہے کہ دنیا قابل نفرت ہے اس سے دور بھاگو۔ اس دنیا کی قوت و دولت' ثروت وحشمت' زیب وزینت' فاسق و فاجر لوگوں کے لئے ہے۔ خدا کے بندوں کی دنیا آخرت ہے۔ انہیں اس پر نگاہ رکھنی چاہئے اور آخرت کے حصول کے لئے وہ چند بے روح عقائد اور بے جان رسومات کو عین دین قرار دے کر' لوگوں کو ان میں زیادہ سے زیادہ منہمک رکھتا ہے تا کہ ان کی نگاہ دوسری طرف اٹھنے ہی نہ پائے۔

مذہبی پیشوائیت' عوام کو اس فریب میں مبتلا رکھتی ہے تا کہ ملوکیت کو اپنی سلب ونہب میں کسی قسم کا خطرہ نہ رہے۔ اس طرح ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا ساجھا ہو جاتا ہے۔ راجہ' برہمن کی رکھشا (حفاظت) کرتا ہے اور برہمن' راجہ کو اشیر باد (دعا) دیتا ہے۔ کنگ' کلیسائی نظام کے لئے جاگیریں مقرر کرتا ہے اور کلیسا' بادشاہ کے حقوق خداوندی کا محافظ بنتا ہے۔ سلطان' مذہبی پیشواؤں کے وظائف مقرر کرتا ہے ور مذہبی پیشوا بر سر منبر اس کے لئے تائید ونصرت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ یہ ہے ملوکیت اور برہمنیت کی وہ ملی بھگت جس سے استبداد کے فولادی پنجہ کی گرفت کبھی ڈھیلی نہیں ہونے پاتی۔ یاد رکھئے! ہامان کی مدد کے بغیر' کسی فرعون کی فرعونیت ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ اسلام نے ملوکیت کے ساتھ مذہبی پیشوائیت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ لیکن جب مسلمانوں میں ملوکیت کی دوبارہ نمود ہوئی تو فطری طور پر اس کے ساتھ مذہبی پیشوائیت بھی جلوہ دہ محراب ومنبر ہوگئی۔ اقبالؒ نے قوم کو اس مہیب خطرہ سے بھی آگاہ کیا اور عمر بھر' سلطانی کے ساتھ' ملائی وپیری کے خلاف بھی مصروف جہاد رہا۔

قرآن کریم نے مذہبی پیشوائیت کے فتنہ کے سلسلہ میں کہا تھا کہ: **اِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** ﴿۹/۳۴﴾ یادرکھو! یہ علماء اور مشائخ' عوام کی کمائی مفت میں کھا جاتے ہیں۔ یہ لوگوں سے کہتے یہ ہیں کہ ہم تمہیں خدا کا راستہ دکھاتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے راستے میں سب سے بڑی روک خود یہی لوگ ہیں۔ ان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس راستے پر چلنے ہی نہ پائیں جو خدا نے ان کے لئے تجویز کیا ہے۔ انہی کے متعلق اقبالؒ نے کہا ہے کہ:۔

یہی شیخ حرم ہے جو چُرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہرؓا!

خدا اپنے رسولوں کی وساطت سے جو دین بھیجتا تھا وہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہوتا تھا جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دنیا سے ظلم و استبداد اور سلب ونہب پر مبنی ہر نظام کو مٹا کر اس کی جگہ نظام خداوندی متشکل کر دیا جائے۔ دین کے بنیادی تصورات اور ارکان ومناسک سب اسی انقلابی پروگرام کے اجزاء ہوتے تھے۔ مذہبی پیشوائیت کی ٹیکنیک یہ ہوتی تھی کہ دین کے ان تصورات کے الفاظ اسی طرح باقی رکھے جائیں لیکن ان کا مفہوم بدل دیا جائے۔ اس کے ارکان ومناسک کی ظاہری شکل وصورت وہی رہے لیکن وہ چند بے مقصد رسومات کا مجموعہ بن کر رہ جائیں۔ یوں ''مذہبی پیشوائیت'' کا وضع کردہ مذہب' دین خداوندی کی ممی شدہ لاش بن کر رہ جاتا تھا جس کے خط و

خال تو وہی رہیں لیکن جس کی حقیقت ایک جسد بے روح سے زیادہ کچھ نہ ہو۔ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہا کہ:۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

دوسرے مقام پر کہا ہے کہ:۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

قرآن کریم نے فرعون کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا تھا کہ: جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا۔ يَسْتَضْعِفُ طَآ فَةً مِّنْهُمْ (۲۸/۴)۔ وہ قوم میں افتراق پیدا کرتا رہتا۔ انہیں پارٹیوں میں تقسیم کر دیتا۔ کبھی ایک پارٹی کو اوپر چڑھا دیتا اور دوسری کو نیچے گرا دیتا اور اس طرح انہیں کمزور کرتا رہتا کہ وہ اس کے خلاف اٹھنے نہ پائیں۔۔ قرآن کریم نے امت میں تفرقہ کو خدا کا عذاب قرار دیا اور واضح الفاظ میں کہا کہ: وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۰/۳۲)۔ مسلمانو! دیکھنا تم ایک خدا پر ایمان لا کر کہیں پھر سے مشرک نہ بن جانا۔ یعنی تم فرقوں میں نہ بٹ جانا۔ فرقہ بندی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور دوسروں کو باطل پر۔ اس طرح امت میں مسلسل پھوٹ پڑی رہتی ہے۔ ملوکیت کا اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کام مذہبی پیشوائیت سے کراتی ہے۔ مذہبی پیشوائیت امت کو مختلف فرقوں میں بانٹ دیتی ہے۔ یہ فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہتے اور اس طرح انہیں باہم لڑاتے رہتے ہیں، اور ملوکیت اطمینان سے اپنی مفاد پرستیوں میں مصروف رہتی ہے۔ اقبالؒ نے جاوید نامہ میں، سعید حلیم پاشا کی زبان سے اسی حقیقت کو واشگاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

دینِ حق از کافری رسوا تراست
زانکہ مُلّا مومن کافر گر است
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و مُلّا و اسرار کتاب؟
کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب
دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

بال جبریل میں انہوں نے اسی حقیقت کو ذرا شوخ انداز میں بیان کیا ہے جب کہا ہے کہ قیامت میں:۔

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرت مُلّا کو ملا حکمِ بہشت
عرض کی میں نے الٰہی! میری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب ولبِ کشت

نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت!
ہے بد آموزیء اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت!

دین کے پروگرام کا ماحصل یہ تھا کہ جماعت مومنین، فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے، انہیں قرآن میں عطا کردہ مستقل اقدار کے مطابق، نوعِ انسان کی منفعت کے لئے عام کردے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصدِ جلیل کے حصول کے لئے علوم سائنس پر پوری پوری دسترس کے علاوہ، عالمگیر انسانیت کے مقتضیات اور عصرِ حاضر کے تقاضوں پر بھی گہری نگاہ ہونی ...... چاہئے۔ لیکن جو کچھ ہماری مذہبی درسگاہوں میں پڑھایا جاتا ہے اس سے تو اتنا بھی معلوم نہیں ہوسکتا، کہ سوئی کیسے بنائی جاتی ہے اور یونائٹیڈ نیشنز کس بلا کا نام ہے۔ ان درسگاہوں کے فارغ التحصیل ''علماء کرام'' کو زندگی کے عملی مسائل سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے!
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

اتنا ہی نہیں۔۔ ان کے نصاب میں اٹھارہ علوم تو ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم کے لئے اس میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ جو علوم وہاں پڑھائے جاتے ہیں، ان سے، ان کے ذہنوں میں فرسودہ یونانی علم الکلام اور پامال شدہ عجمی تصورات اس طرح ٹھونس دیئے جاتے ہیں کہ ان میں دین کے مبادیات تک کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ اسی کا رونا روتے ہوئے اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

بیاں میں نکتہء توحید آتو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے
وہ رمزِ شوق جو پوشیدہ لا الٰہ میں ہے
طریقِ شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہئے

طریقت

یہ تو اربابِ شریعت کا حال ہے۔ اصحابِ طریقت ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔۔ بالِ جبریل میں ہے:

رمز و ایمان اس زمانے کیلئے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
'قم باذن اللہ' کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن!

دین کا انقلابی پروگرام یکسر مجاہدانہ زندگی کا متقاضی تھا جس کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جس کے رگ و پے میں بجلیاں بھری ہوئی ہوں۔ تصوف زندگی سے فرار سکھاتا ہے اس لئے خدا کے دین سے اس کا تعلق کیا ہوسکتا ہے؟۔۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔۔ ''تصوف' اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے''۔۔ دین، قوموں کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑا دیتا ہے۔ تصوف رگِ حیات میں رواں دواں خون کو منجمد کر کے رکھ دیتا ہے۔ دین، وہ شعلہء جوالہ ہے جو باطل کے ہر نظام کو خس و خاشاک کی طرح راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ تصوف زندگی کی رہی سہی حرارت کو بھی افسردہ کر کے قوموں کو موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ یہی وہ تاسف انگیز منظر تھا جسے دیکھ کر اقبالؒ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا تھا کہ:

صوفی کی طریقت میں فقط مستیء احوال
مُلّا کی شریعت میں فقط مستیء گفتار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیء کردار

اس نے اربابِ خانقاہیت کو پکار کر کہا کہ:

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی' یہ مراقبے یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

اقبالؒ سے بھی پہلے' ایک اور قرآنی نگاہ رکھنے والے مردِ مومن۔۔ سرسید علیہ الرحمتہ۔۔ نے ان اجارہ دارانِ روحانیت کے متعلق کہا تھا کہ:

مسکینی اور انکساری ان کو آسمان پر چڑھاتی ہے۔ اس لئے یہ اور زیادہ مسکین و منکسر بنتے ہیں سادہ لوحی پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں اس لئے یہ اور سادہ بنتے جاتے ہیں۔ دنیا سے نفرت ان کو دنیا دلاتی ہے اس لئے یہ دنیا سے زیادہ نفرت کرتے جاتے ہیں۔ بے طمعی' محنت کے بغیر درہم و دینار دلاتی ہے اس لئے یہ اور زیادہ بے طمع ہوتے جاے ہیں۔ لوگ ان کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتے ہیں اس لئے ان کے دل میں دوسروں کی ہر بات کی حقارت جمتی جاتی ہے۔

ان بظاہر ''حجرہ نشینوں'' کی یہ کیفیت ہے کہ لوگوں کو یہ دنیاوی آسائشوں اور زیبائشوں سے نفرت دلاتے رہتے ہیں لیکن خود ان کے محلات ہر قسم کی عیش سامانیوں کے مراکز ہوتے ہیں۔

اقبالؒ نے (بالِ جبریل میں) ایک ''باغی مرید'' کی زبان سے اسی حقیقت کی پردہ کشائی کی ہے جب کہا ہے کہ:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی!
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دہاتی ہو' مسلمان ہے سادہ
مانندِ بُتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں! سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقہء سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

یہ تھا ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا وہ دجل و فریب جس کے احساس سے اقبالؒ نے خون کے آنسو روتے ہوئے بحضور رب العزت فریاد کی تھی کہ:

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے' درویشی بھی عیاری

☆☆☆☆☆☆☆

نظامِ سرمایہ داری

اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت کی گرہیں کسنے کے لئے پیشوائیت کی سحر آفرینی بڑی موثر ہوتی ہے۔ لیکن اس میں یہ خطرہ ضرور ہوتا ہے کہ اگر لوگوں نے ذرا بھی علم و عقل سے کام لینا شروع کر دیا تو اس طلسم سامری کی نگاہ فریبی کا جال دھواں بن کر اڑ جائے گا۔ اس کے لئے ایک اور حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔

آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ سرکس کا شیر'

اتنی مہیب قوتوں کے باوجود رنگ ماسٹر (Ring Master) کے سامنے بکری کیوں بنا رہتا ہے؟ اس لئے کہ اسے متواتر بھوکا رکھا جاتا ہے۔ بھوک' وہ موثر ترین حربہ ہے جس سے بڑے بڑے قوی ہیکل سرکشوں کو گردن جھکانے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ انسانی دنیا میں اس حربہ کا نام نظام سرمایہ داری ہے جو حکمت ابلیسی کا نادر شاہکار ہے۔ اس میں عیار طبقہ رزق کے سرچشموں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح جب لوگ روٹی کے لئے اس کے محتاج ہو جاتے ہیں تو ان سے جو کام چاہتا ہے' لیتا ہے۔ دین خداوندی' نظام سرمایہ داری کے خلاف کھلا ہوا چیلنج تھا۔ وہ اسے جڑ بنیاد سے اکھیڑنے کے لئے آیا تھا۔ نظام سرمایہ داری کی عمارت' فاضلہ دولت (یعنی ضرورت گ دولت کے انبار جمع کرتے رہتے ہیں' اور اسے دوسروں کی ضروریات کے لئے عام نہیں کرتے' اسے زیادہ سرمایہ جمع رکھنے) کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔ قرآن نے اس بنیاد ہی کو منہدم کر دیا' اور ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنے والوں کو عذاب جہنم کا مستحق قرار دیا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ: **وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۹/۳۴)** جو لوے رسول! تو ان سے کہدے کہ ان کی اس روش کا انجام الم انگیز تباہی ہوگا۔ **يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ (۹/۳۵)** جس دن اس دولت کے سکوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور ان سے ان کی پیشانیوں' ان کے پہلوؤں اور ان کی پشت کو داغا جائے گا اور کہا جائے کہ: **هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (۹/۳۵)** یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنی ذات پر صرف کرنے کے لئے جمع کر رکھا تھا۔ لہٰذا' اب اس دولت کا مزہ چکھو۔

نظام سرمایہ داری کی بنیاد تو فاضلہ دولت (Surplus Money) پر ہوتی ہے۔ لیکن یہ فاضلہ دولت زمانہ قدیم میں زمینداری سسٹم سے حاصل ہوتی تھی اور عصر حاضر میں نظام کارخانہ داری (انڈسٹری) کی رو سے اکٹھی کی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے نظام زمینداری کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ زمین' تمام نوع انسان کے لئے رزق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ **وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰)** ''زمین کو ہم نے تمام مخلوق کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے۔'' اس لئے اسے **سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ۔ (۴۱/۱۰)** ہر ضرورت مند کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے۔ اس سے جس قدر رزق پیدا ہوتا ہے اس میں کاشتکار کی صرف محنت شامل ہوتی ہے اور باقی سب کچھ فطرت کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے۔ زمیندار' فطرت کی ان بخشائشوں کو بھی اپنی ذاتی ملکیت بنا لیتا ہے اور کاشتکار کی محنت کا بیشتر حصہ بھی ہتیا لیتا ہے۔ قرآن کریم اس حقیقت کو بڑے دلنشیں انداز سے بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ **اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ**۔ کیا تم نے اس پر کبھی غور کیا ہے کہ تم جو کھیتی کرتے ہو تو اس میں تمہارا حصہ کس قدر ہوتا ہے اور ہمارا کس قدر۔ تم زمین میں ہل چلا کر تخم ریزی کر دیتے ہو۔ اس کے بعد۔۔ **ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ** ۔ کیا اس دانے کو تم اگاتے ہو یا ہمارا قانون ایسا

کرتا ہے......؟ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ۔ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ۔ اگر ہمارا قانون مشیت ساتھ نہ دیتا تو کھیتی کا اگنا تو ایک طرف، تمہارا بیج بھی ضائع ہو جاتا اور تم سر پکڑ کر بیٹھ جاتے کہ ہم پر مفت میں چٹی پڑ گئی۔ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ۔ پھر تم نے کبھی اس پانی پر بھی غور کیا ہے جس پر زندگی کا اور کھیتی کا دارومدار ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ کیا اسے تم بادلوں سے برساتے ہو یا ہم ایسا کرتے ہیں؟ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ اگر ہمارا قانون مشیت ساتھ نہ دیتا اور جس طرح کا تلخ اور نمکین پانی سمندر میں تھا ویسا ہی یہ بادلوں سے برستا۔ تو کھیتی کا اگنا تو ایک طرف تم خود بھی زندہ نہ رہ سکتے۔ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ۔ پھر کیا تم اس آگ پر غور نہیں کرتے جسے تم جلاتے ہو اور جس کی حرارت میں زندگی کا راز سربستہ ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ۔ کیا درختوں کی سبز شاخوں میں اس شعلہ سامانی کو ہم نے محفوظ رکھ کر چھوڑا ہے یا تم نے ایسا کیا ہے۔ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً۔ ہم نے اس داستان کو اس لئے دہرایا ہے کہ تمہیں ایک فراموش کردہ حقیقت کی یاددہانی کرا دی جائے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ زراعت کا یہ سارا کاروبار تمہارا اور ہمارا مشترکہ ہے۔ اس لئے اس کے ماحصل میں سے تم اپنا حصہ لے لو اور ہمیں ہمارا حصہ دے دو۔ تم پوچھو گے کہ تمہارا حصہ ہم کسے دیں؟ سو سن لو کہ وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ (۵۶/۶۳-۷۳)۔ اسے بھوکوں کو دے دو۔ یہ ہم تک پہنچ جائے گا۔ اقبالؒ نے انہی آیات کے مفہوم کو اپنی حسین انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
دہ خدایا! یہ زمین تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں، میری نہیں

(بال جبریل)

پھر اس نے صنعتی نظام (انڈسٹری) کی چکی میں پسے ہوئے خاک نشیں مزدور کو اٹھا کر گلے سے لگایا اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا کہ:۔

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اقبالؒ نے ''بندۂ مزدور'' کو یہ پیغام ۲۳-۱۹۲۲ء میں دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے بال جبریل اور ضرب کلیم میں اسی پیغام کو

اور بھی زیادہ واشگاف الفاظ میں دہرایا۔ بال جبریل میں ایک نظم کا عنوان ہے۔۔ فرشتوں کا گیت۔۔ اس میں ملائکہ' خدا سے شکوہ سنج ہیں کہ:۔

عقل ہے بے زمان ابھی' عشق ہے بے مقام ابھی
نقش گرِازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی!
خلق خدا کی گھات میں رند و فقیر و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردش صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست' تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی' خواجہ بلند بام ابھی

اس پر خدا کی طرف سے فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ:۔

اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو!
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو!
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!
حق را بسجودے را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو!
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو!

''فرشتے'' وہ کائناتی قوتیں ہیں جو مشیت خداوندی کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے ''زمانے کے تقاضوں'' کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔ یہی وہ ''زمانے کے تقاضے'' تھے جنہیں دیکھ کر' اقبالؒ کی نگہِ دوررس نے بہت عرصہ پہلے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا کہ اب۔

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے' ساز بدلے گئے
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ۔

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

انہوں نے حکیم سنائی کے ایک مصرعہ کو موضوع سخن قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ:۔

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا
ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
''گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا''

یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے' جب ہنوز (شاید) خود چینیوں کو بھی اپنے مستقبل کا حتمی طور پر اندازہ نہیں ہوا ہوگا۔ قرآن پر غور و فکر انسان میں ایسی بصیرت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ حوادث زمانہ سے اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اب ہوا کا رخ کدھر کو ہے۔

قرآن کریم نے نظام سرمایہ داری کے ختم کرنے کے سلسلہ میں کہا تھا کہ۔ **يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ**۔ اے رسولؐ! تجھ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی کمائی میں سے کس قدر' دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیں۔ **قُلِ الْعَفْوَ**۔ (۲/۲۱۹) ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضروریات سے زائد ہے' سب کا سب۔ جب

روس میں اشتراکی انقلاب آیا تو اقبالؒ نے کہا کہ ؎

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیء گفتار
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

''شاید'' اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ روس نے جس اشتراکی نظام کی اس قدر عظیم عمارت استوار کرنے کا دعویٰ کیا ہے' اس کے ہاں ایسی بنیاد کوئی نہیں جو اس عمارت کا بوجھ اٹھا سکے۔ اس نے اہل روس سے اسی زمانے میں کہا تھا کہ ؎

اے کہ می خواہی نظام عالمے
جستہء اورا اساس محکمے؟

یہ بنیاد قرآن کے سوا کہیں نہیں مل سکتی۔ اس لئے ؎

داستان کہنہ شستی باب باب
فکر را روشن کن از ام الکتاب

اور آپ دیکھ رہے ہیں' کہ اس اساس محکم کے نہ ہونے کی وجہ سے' روس میں اشتراکیت کس بری طرح سے ناکام ہو رہی ہے۔ یہ معاشی نظام' قرآن ہی کی بنیادوں پر کامیابی سے اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کو اقبالؒ نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کے آخری بند میں نہایت اجلے' نکھرے اور حسین و شاداب انداز میں بیان کیا ہے۔ اسے غور سے سنئے:

ابلیس کی کابینہ کے مشیر اقتصادیات نے کہا کہ دنیا میں اشتراکیت کا چرچا عام ہو رہا ہے اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ ہمارا وضع کردہ نظام سرمایہ داری کہیں پامال نہ ہو جائے۔ اس لئے ہمیں اس کے سنبھالنے کی کچھ فکر کرنی چاہئے۔ ابلیس نے یہ سن کر کہا کہ تم نے صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ ہمیں اشتراکیت سے کچھ خطرہ نہیں۔ یہ ہمیں شکست نہیں دے سکتی۔ ہمارے لئے خطرہ کا گوشہ...... اور ہے جس کی طرف تم میں سے کسی کی بھی نگاہ نہیں گئی ؎

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنہء فردا نہیں' اسلام ہے

اس پر اس کے مشیروں کی آنکھوں میں خفیف سی ہنسی پیر گئی جو اس تنقید کی غماز تھی کہ موجودہ مسلمان قوم سے بھلا ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ اس پر ابلیس نے کہا کہ ؎

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہء مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عہد حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں!

کون سی شرع پیغمبر............؟

الحذر! آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن' مرد آزما' مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں' نے فقیر راہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آسودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں!

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں!

یہ ہے ہمارے لئے حقیقی خطرہ کا موجب...... اس لئے ۔

چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں

اب ابلیس کے مشیروں کی سمجھ میں آیا کہ ان کے لئے حقیقی خطرہ کیا ہے۔ اس پر انہوں نے ابلیس سے پوچھا کہ اس خطرہ کی روک تھام کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اس نے کہا کہ کرنا کیا چاہئے؟۔۔۔ وہی جو ہم کرتے چلے آئے ہیں۔ تم جاؤ اور اپنے نظام کی آلہ ء کار' مذہبی پیشوائیت کو کھٹکھٹاؤ' اور اس سے کہو کہ وہ مسلمانوں کو اس قسم کے اختلافی اور نظری مسائل میں الجھائے رکھے کہ: ۔

ابن مریم مر گیا یا زندہء جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق' حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں' فرزند مریم کے صفات
ہیں, کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

ذرا سوچو۔۔۔۔ کہ:۔

کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

اسے ان نظری مسائل کے الجھاؤ میں ڈالے رکھو۔ اور اس طرح۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے!
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات!

لہٰذا' تم انتہائی جدوجہد سے ۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

اس سے زیادہ اور کچھ کرنے کا کام نہیں۔۔ یہ ہو گیا تو تم چین کی نیند سوؤ۔ اس سے یہ قوم' ملوکیت' مذہبی پیشوائیت اور نظام سرمایہ داری کی زنجیروں میں بدستور جکڑی رہے گی اور ہمارا پورا لاؤ لشکر فساد آدمیت کے پروگرام کی تکمیل میں آزادانہ مصروف رہے گا۔

پاکستان

اقبالؒ نے ابلیس کی اسی سازش کو ناکام بنانے کے لئے پاکستان کا تصور دیا تھا۔ پاکستان سے اس کی مراد تھی ایک ایسا خطہء زمین جس میں قوانین خداوندی کی حکمرانی ہوتا کہ اسلام پر جو ملوکیت کا ٹھپہ لگ چکا ہے وہ دور ہو جائے۔ مذہبی پیشوائیت کا اقتدار ختم ہو اور سرمایہ داری کی جگہ صحیح قرآنی نظام معیشت رائج کیا جا سکے۔ اس سے ''اشتراکیت'' کو وہ اساس محکم میسر آ جائے گی جس کے بغیر وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۱۹۴۷ء میں وہ خطہء زمین ہمیں مل گیا۔ لیکن اس وقت وہ حکیم الامت یہاں سے جا چکا تھا۔ اگر وہ اس وقت

موجود ہوتا تو ہمیں ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کی اس نشست کی روئیداد بھی اپنے الفاظ میں سناتا جو حصول پاکستان کے وقت' ہنگامی طور پر منعقد ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل کچھ اس قسم کی ہوتی کہ جب تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو ابلیس کے مشیر' چیختے چلاتے اس کے پاس آئے اور کہا کہ جہاں پناہ! غضب ہو گیا۔ تحریک پاکستان کامیاب ہو گئی۔ مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت قائم کرنے کے لئے جداگانہ خطہء زمین مل گیا۔ اس تحریک کے قائد نے بہت پہلے اعلان کیا تھا کہ اسلامی مملکت' جس کے قیام کے لئے ہم جدوجہد کر رہے ہیں' قرآنی احکام و قوانین نافذ کرنے کی ایجنسی ہو گی۔ اس نے زمینداروں اور سرمایہ داروں کو وارننگ دے دی تھی کہ تمہیں اپنی روش بدلنی پڑے گی۔ ایسا نہ کرو گے تو تمہارے لئے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں ہو گی کیونکہ وہاں نظام سرمایہ داری نہیں چل سکے گا۔ اس نے ابھی ابھی (۱۹۴۸ء میں) ایک براڈ کاسٹ میں کہا ہے کہ پاکستان میں تھیاکریسی نہیں ہو گی۔ ہم نے دس برس تک مذہبی پیشوائیت کو برابر آگے بڑھائے رکھا کہ وہ تحریک پاکستان کی مخالفت کرے' اور ''خدا و رسول'' کے نام پر عوام کو اس کی حمایت کرنے سے باز رکھے۔ لیکن ان کی کسی نے نہ سنی اور وہ تحریک کامیاب ہو گئی۔ اب اس خطہء زمین میں قرآنی نظام قائم ہو جائے گا اور ہماری حکمرانی ختم ہو جائے گی۔ باطل پناہ! یہ کیا ہو گیا؟ ۔۔۔ یہ کیسا انقلاب آ گیا؟ ؎

چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشتِ غبار
فتنہء فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج!
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابلیس نے یہ سب کچھ خاموشی سے سنا اور اس کے بعد نہایت سکون و اطمینان سے کہا کہ اس میں شبہ نہیں کہ یہ انقلاب ہمارے لئے ایک بہت بڑے فتنہ کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ لیکن اس سے اس طرح گھبرانے اور چیخ و پکار کرنے کی کوئی بات نہیں' مسلمان' مذہب پرست قوم ہے۔ اسے اسی راستے سے بہکایا جا سکتا ہے۔ اسلام دشمن قوتیں بے نقاب ہو کر سامنے آئیں تو مسلمان اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن یہی قوتیں جب مذہب کا لبادہ اوڑھ کر آئیں تو یہ سادہ لوح نہایت آسانی سے ان کے دام فریب میں آ جاتا ہے۔ لہٰذا' تم اپنی قوتوں کو ایک بار پھر مجتمع کرو۔ ان کا جال سارے ملک میں بچھا دو۔ **وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ** ۔ اپنے پراپیگنڈے کی مشینری کو تیز تر کر دو۔ **وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ** ۔ اپنے لاؤ لشکر کو ان کے (Disposal) پر چھوڑ دو کہ یہ چاروں طرف سے اس امت پر یورش کریں۔ **وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ** ۔ روپے پیسے سے ان کی مدد کرو۔ اور ایسا انتظام کرو کہ قوم کا نوجوان طبقہ ان کی گرفت میں رہے۔ **وَعِدْهُمْ** (۱۷/۶۴)۔ اور انہیں حکومت و اقتدار کے سبز باغ دکھا دکھا کر اپنے پیچھے لگاتے رہو۔ تم یہ کچھ کرو اور پھر دیکھو کہ اس خطہء زمین میں بھی تمہاری حکمرانی کس طرح بدستور قائم رہتی ہے۔ یہ میری مدتوں کے آزمائے ہوئے تیر ہیں جن کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ انہی حربوں سے

میں نے مسلمانوں کی اتنی اتنی بڑی مملکتوں کی حالت کیا بنا رکھی ہے؟ وہاں مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ: ۔

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں!
ہو اگر پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

تم دیکھتے نہیں کہ: ۔

یہ ہماری سعیءِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و مُلّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

تمہارے لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں: ۔

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا!
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

ان حربوں نے جو کچھ ان ممالک میں کیا ہے' وہی کچھ اس نوزائیدہ مملکت میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب تک دنیا میں مذہبی پیشوائیت باقی ہے ہمارے لئے خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ یہ ابھی تک منتشر ہیں۔ تم ان کی ایک منظّم جماعت بناؤ۔ ان کی طرف زروسیم سیلاب کی طرح انڈیل دو۔ سرمایہ پرست سلطنتوں کو ان کا پشت پناہ بناؤ۔ اس طرح تم انہیں ہر طرح سے تقویت پہنچاتے رہو اور جو پروگرام میں نے پہلے تجویز کیا تھا' اس پر اور بھی زیادہ شدت سے عمل پیرا ہو جاؤ۔ نئی نسل کے نوجوانوں کو دین کی طرف سے متنفر کرتے جاؤ اور پرانی نسل کو ۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

اس پروگرام کے مطابق، تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی' وہ مذہبی پیشوائیت' جو مسلسل دس سال تک تحریکِ پاکستان کی مخالفت کرتی چلی آ رہی تھی' پاکستان میں آن موجود ہوئی۔ اقبالؒ اس سے بہت پہلے دنیا سے جا چکا تھا' اور جناحؒ' قیام پاکستان کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہم سے رخصت ہو گیا۔ اس لئے مذہبی پیشوائیت کو یہاں پوری طرح کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ اس نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ:

چونکہ پاکستان' اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور حصول پاکستان کی تحریک اسی مقصد کے تحت چلائی گئی تھی کہ یہاں اسلامی حکومت قائم کی جائے...... اور چونکہ یہاں مسلمانوں کی قومی قیادت اب تک جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی ہے وہ اسلامی حکومت کو چلانے کی صلاحیت سے عاری محض ہیں۔ لہٰذا' انہیں چاہئے کہ وہ مسند قیادت و سیادت سے دستبردار ہو جائیں اور ایک نئی قیادت کے لئے جگہ خالی کر دیں۔

اس زمانے سے اب تک یہاں یہی جنگ جاری ہے جس نے قوم کو ان مقاصد کے حصول کی طرف آنے ہی نہیں دیا جن کی خاطر پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ ملک کا سرمایہ دار طبقہ حسب معمول اس جنگ میں مذہبی پیشوائیت کے ساتھ ہے کیونکہ مذہبی پیشوائیت ان کے مفاد کی پوری پوری نگہداشت کرتی ہے۔ مثلاً یہاں جب یہ تجویز سامنے آئی کہ اللہ کی زمین' جاگیرداروں اور زمینداروں کے قبضہ سے نکال کر' کاشتکاروں کو دے دی جائے اور اس نہج کا قانون پاس کر دیا جائے کہ کسی شخص کے قبضہ میں اتنے ایکڑ سے زیادہ اراضی نہیں رہنے پائے گی تو مذہبی پیشوائیت کی طرف سے یہ فتویٰ صادر فرما دیا گیا کہ ایسا کرنا خلاف شریعت ہے۔ زمین ہی نہیں۔ دولت سمیٹنے پر بھی کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس لئے کہ: ۔

اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی...... روپیہ، پیسہ جانور، استعمالی اشیاء، مکانات، سواری، غرض کسی چیز کے معاملہ میں بھی قانوناً ملکیت پر کوئی حد نہیں...... وہ جس طرح ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ، اپنے مکان، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار، اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں وراتنی فلاں چیز اوراتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو، اسی طرح وہ تم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو۔ (مسئلہ ملکیت زمین۔از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ص ۵۲، ص۷۲۔ ایڈیشن ۱۹۵۰ء)

نتیجہ اس کا یہ کہ دولت چند مراکز میں سمٹ کر آتی گئی اور غریب طبقہ دن بدن روٹی تک کا بھی محتاج ہوتا چلا گیا۔ مذہبی پیشوائیت خوش ہے کہ ان کا جہادِ عظیم کامیاب ہو رہا ہے اور سرمایہ دار مطمئن کہ اسلام کی ڈھال ان کے لئے تیار کردی گئی ہے جس کے پیچھے وہ جو جی میں آئے کر سکتے ہیں۔

لیکن اس میں، عزیزانِ من! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ جب ابلیس اپنے مشیروں کو یہ پروگرام دے رہا تھا تو آنسوئے افلاک سے یہ نشید جلال بھی اس کے کانوں میں پہنچ رہی تھی کہ تم جو جی میں آئے کہ دیکھو۔۔ **اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ** (۱۷/۶۴)۔۔ میرے بندوں پر تیرا کوئی جادو نہیں چل سکے گا۔۔ وہ بندے کہ۔ ؎

جن کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

وہ شمع قرآن کو لے کر اٹھیں گے اور تمہارے مکر و دجل کی پھیلائی ہوئی تاریکیوں کے پردے چاک کر کے، ان کے پیچھے چھپے ہوئے ایک ایک چہرے کو بے نقاب کرتے جائیں گے۔۔ یہ کشمکش نئی نہیں: ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز!
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اور تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ جہاں اور جب بھی ''چراغِ مصطفویؐ'' کے علمبرداروں نے استقامت سے کام لے کر اپنی جدوجہد جاری رکھی، ''شرارِ بولہبی'' خاکستر ہو کر رہ گیا۔ اور ''فرعون، ہامان اور قارون'' کا متحدہ محاذ بھی اسے بجھنے سے بچا نہ سکا۔۔ **فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا** (۶/۴۵)۔ اس طرح ہر ظلم کرنے والی جماعت کی جڑ کٹ گئی۔۔ **وَخَسِرَ ھُنَالِکَ الْمُبْطِلُوْنَ** (۴۰/۷۸)۔ اور قرآنی نظام کی مخالفت کرنے والی ہر قوت، خاکستر و نامراد رہ گئی۔۔ یہی پہلے ہوا ہے۔ یہی اب ہوگا۔ ؏

حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

اور یہ اس دن ہوگا جب مسلمانوں میں خدا کے عطا کردہ دین اور مذہبی پیشوائیت کے خودساختہ مذہب میں فرق کرنے والی نگاہ پیدا ہوگئی اور اس قسم کی نگاہ، قرآن کے سوا کہیں سے نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ ہے جو اقبالؒ نے کہا تھا کہ: ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

لہٰذا، عزیزانِ من! ہمارے لئے اقبالؒ کا پیغام یہ ہے۔۔ اور یہ پیغام اقبالؒ کا نہیں، درحقیقت قرآن کا پیغام ہے۔۔ کہ اس

خطہء زمین' ارض پاکستان' کی حفاظت کا پورا پورا سامان کیا جائے۔۔ کہ اگر یہ خطہء زمین ہی (خدانکردہ) باقی نہ رہا تو قرآنی نظام نافذ کس جگہ ہو سکے گا۔۔ اور جو تخریبی قوتیں' اسلام کے نام پر ملک میں انتشار پیدا کرتی ہیں' ان کے فریب میں نہ آیا جائے' اور اس کے ساتھ ہی ملک میں قرآنی پیغام کو عام کرتے جائیں۔ جب یہ پیغام فضا میں عام ہو گیا تو تخریبی قوتیں اس طرح کافور ہو جائیں گی جس طرح طلوع سحر سے رات کی تاریکی کفن پوش ہو جاتی ہے۔ اگر آپ نے ایسا کر لیا تو یقین جانئے کہ:۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنم آفریں بادِ بہار!
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہء خورشید سے
یہ جہاں معمور ہو گا نغمہء توحید سے

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

CM 7326
12/5/02

سر سیدؒ میموریل لائبریری

آپ کی خدمت میں دینی کتب لاگت قیمت پر مہیا کرتی ہے

لباس اور چہرہ کیسا ہونا چاہئے' رحمت اللہ طارق' قیمت 20 روپے' ہمارے دینی علوم' اسلم جیراجپوری' قیمت 30 روپے' قتل مرتد کی شرعی حیثیت' رحمت اللہ طارق' قیمت 25 روپے' تفسیر منسوخ القرآن' رحمت اللہ طارق' قیمت 250 روپے' عورت اور مسئلہ امارت' رحمت اللہ طارق' قیمت 20 روپے' تفسیر میزان القرآن' رحمت اللہ طارق' قیمت 400 روپے' قربانی کی شرعی حیثیت' رحمت اللہ طارق' قیمت 10 روپے' قرآن کا معاشی نظریہ' رحمت اللہ طارق' قیمت 25 روپے۔

☆یہ قیمتیں ڈاک خرچ کے علاوہ ھیں☆ وی پی پی کا انتظام نھیں ھے☆

درج ذیل کتب مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

سر سیدؒ میموریل لائبریری' کالج سٹاپ جی ٹی روڈ' باغبان پورہ' لاہور۔

اشتہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باغبان خواتین وحضرات کے نام کھلا خط (8)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

عنوان=وقفِ اوقات/Time Schedule

سترہ ہزار سال قبل مسیح انسان نے آوازوں کو لفظ/حرف کی صورت میں الگ کرنا شروع کیا اور زبان کی ابتداء ہوئی تھی جبکہ آج کا انسان ''ای میل'' اور ''کمپیوٹر کے انٹرنیٹ'' کے جس مقام پر ہے وہ ہم اور آپ سب کے سامنے ہے۔

''انسانی تہذیب میں اگر مرد ''اَن کی''،''پتی''،''نر''،''دَین''،''پاہی''،''لحمود''،''النشر'' اور آدم کے نام سے موجود ہے تو بالکل اس کے ساتھ ساتھ خاتونِ زمانہ ''نن ہرسگ''،''پتنی''،''ناری'' یا نگ ''سرتوم''،''لحامو''،''کیشر'' اور ''حوّا'' کے نام سے موجود ہے۔ اگر مرد ''انو'' یا ''اکاش'' کی نسبت سے بڑا بنایا گیا ہے تو خاتون بھی ''آیا'' اور ''دھرتی'' کے روپ میں جزو لاینفک کی طرح ہے (حوّا کے لفظی معنی جانداروں کی ماں کے ہیں)۔

آیئے باغبانی کے میدان میں بھی ہم ایک مثالی تعاون کو مقام دیں۔ انسانی تاریخ جن ''قدیم باغبانوں'' کو سامنے لا رہی ہے وہ ایک خاتون ''نن کاسی'' اور مرد ''شوکلی تودا'' ہے۔ (بشکریہ مادر کائنات)

باغبان ایسوسی ایشن کے سلسلہ میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔

☆ باغبان ایسوسی ایشن کے خاص اجتماعات کی باقاعدہ دعوت دی جاتی ہے۔

☆ غیر رسمی مشاورتی اجتماعات کے لئے ہر ماہ کی ۱۵، ۳۰ تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ باغبان خواتین وحضرات اپنے ہاں مقامی طور پر تجربات، مشاہدات اور تحریری مواد سے ایک دوسرے کو آگاہ کریں۔ اس دعوت میں صرف مقامی پھل پیش کئے جائیں۔ پھلوں اور پھلدار پودا جات کے تحائف دینے کا آغاز کیا جائے۔ یوں محلّہ/قصبہ/دیہات میں باغبان تحریک کو عام کیا جائے۔ جو عملی تعاون کی ایک زندہ مثال ہو۔

☆ 15-30 تاریخ کو باغبان بیج (Badge) باغبان مونوگرام (Monogram) اپنے سامنے لگا کر رکھیں یہ تحفہ دوسروں کو بھی دیں۔ جب وسائل میسر ہوں تو باغبان ڈائری، باغبان کیلنڈر اور باغبان شاپنگ بیگ (صرف کپڑے والا) بازار میں لائیں۔

☆ لاہور یا کسی مناسب جگہ ''ایوان باغبان'' کا قیام زیر غور ہے۔ مناسب مشورہ دیں۔

☆ بنجر پاکستان کو آباد کرنے والے ہراول دستے کا کردار ادا کریں۔ سبز انقلاب کے داعی بن کر نرسریاں قائم کریں اور ماحولیات سے دوستانہ رشتہ استوار کریں۔ اپنے گھر کے سامنے دیوار پر **باغبان** کا لفظ زرد رنگ سے لکھیں۔ شکریہ!

پتہ :- ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن، معرفت PO موہڑہ سیداں- مری

رابطہ :- صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن، ٹبی سیداں، سوہاوہ- جہلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثریا کوثر قیصرانی

لیڈر کی خصوصیات

قوموں کے عروج و زوال میں لیڈر کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اتنی مسلمہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کے نام ایک مکتوب گرامی میں اس ضمن میں ایک ایسا فقرہ لکھا کہ جو اپنی جامعیت اور صداقت کے اعتبار سے گویا ابد در کنار ہے۔

''یاد رکھو! جب حاکم بگڑ جاتا ہے تو رعایا بھی بگڑ جاتی ہے۔ سب سے بدبخت وہ انسان ہے جس کی وجہ سے اس کی رعایا بدبخت ہو جائے۔'' (شاہکار رسالت، ص ۱۳۰)

ایک مسلمان کے سامنے لیڈر اور راہنما کا بہترین نمونہ نبی اکرمؐ کے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم نے ایسے عظیم رہبر کی سیرت کے اہم گوشوں کو نہایت خوبی اور خوبصورتی سے اپنے دامن میں محفوظ کر دیا ہے۔

حضور اکرمؐ انسانیت کی معراج کبریٰ پر فائز تھے۔ زندگی کے ہر گوشے میں آپ نے جس طرح عملی حصہ لیا' ان کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو راہنمائی کے کئی باب وا ہوتے ہیں۔

آیئے دیکھیں وہ کیا چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے سپاہی اپنے کمانڈر پر جان چھڑکتے ہیں۔ اس کی حفاظت تو ایک طرف رہی' اس کی لاش تک کے لانے کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ اسے ذرا سا بھی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو اس کے گرد ایک حصار باندھ دیتے ہیں۔

قرآن کریم جنگ احد کے سلسلے میں ان واقعات کو سامنے لاتا ہے اور اس کے ساتھ بتاتا ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ خود اس لیڈر' اس سربراہ' اس جرنیل' اس کمانڈر کی کیفیت یہ تھی کہ

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم (۹/۱۲۸)

تم میں سے وہ رسول تمہارے پاس آیا جس کی کیفیت یہ ہے کہ تمہیں اگر ذرا سی بھی کہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مضطرب و بے قرار ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں یہ آرزو موجزن رہتی ہے کہ دنیا بھر کی خوشگواریاں اور بھلائیاں تمہارے لئے اکٹھی کرتا چلا جائے۔ وہ اپنی جماعت کے افراد کے لئے رءوف اور رحیم واقع ہوا ہے یعنی وہ ان کے ساتھ بڑی ہی شفقت اور مرحمت سے پیش آتا ہے اور ان کی حفاظت اور نشوونما کا پورا پورا خیال کرتا ہے۔

لیڈر اور جرنیل کی یہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اس کے پیچھے چلنے والے اس کے زیر کمان اس کا بال نہیں بیکا ہونے دیتے اور ذرا سی تکلیف کا بھی احتمال اگر کہیں ہو تو اپنی جانیں تک اس کے اوپر نثار کر دیتے ہیں۔

رہبر اعظمؐ کی یہی خصوصیت مزید وضاحت کے ساتھ سورہ آل عمران میں مذکور ہے۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک
(۳/۱۵۸)

اس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ:

یہ بھی نوازش ہائے الٰہی میں سے ہے کہ اے رسول! تو بڑا نرم واقع ہوا ہے اگر کہیں کیفیت یہ ہوتی کہ تو درشت اور سنگدل واقع ہوتا تو یہ لوگ تجھے چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ تیرے حلقے میں کبھی نہ رہتے۔

اس کے صحیح مفہوم تک آنے سے پہلے ایک لفظ کی وضاحت نہایت

ضروری ہے کہ دراصل یہی لفظ موضوع زیرنظر کے حوالہ سے بڑا ہی اہم ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم اس ایک لفظ کے اندر آ گئی ہے۔ اس ایک لفظ ''لِنت'' میں لیڈر اور سربراہ کی خصوصیت بتا دی گئی ہے۔

''**لِنت**'' کے معنی 'نرم ہونا' کئے جاتے ہیں۔ بلاشبہ نرم ہونا بھی ایک بہت بڑی خوبی ہے لیکن ہر مقام پر نرم ہونے سے تو زندگی نہیں گذاری جاسکتی۔

اسے ہم عملی مثالوں سے دیکھتے ہیں۔ عیسائیت نے اپنے سارے مذہب کی بنیاد اسی پر رکھی کہ God is mercy اور قدم قدم پر انہیں اس خدا کو چھوڑ دینا پڑا جس کے متعلق زبان سے کہتے گئے کہ God is mercy! God is mercy کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کے نام لیوا کو بھی زندگی کے ہر شعبے میں، ہر گوشے، ہر موقع اور ہر حادثے میں Mercy کا مظہر ہونا چاہئے، رحمدل ہونا چاہئے۔

یہ جو آئے دن لڑائیاں اور جنگیں ہوتی ہیں، عیسائیت کی ساری تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔ تنگ آ کر، مجبور ہو کر دوسری عالمی جنگ کے موقع پر عیسائیت کے سربراہوں کو یہ فتویٰ دینا پڑا کہ ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن میں جنگ کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

اس فتویٰ کے ماتحت God is mercy کو چھوڑا گیا اور ایک قوت والے خدا کا تصور سامنے لایا گیا۔ خود ان کی تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ زبان سے بے شک وہ یہی کہتے رہے لیکن قوت اور سختی کے بغیر زندگی میں چارہ نہیں ہے، زندگی کے ایسے گوشے بھی آتے ہیں جہاں سخت ہونا پڑتا ہے۔ لیکن صرف سختی بھی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے گذارا ہو جائے۔ ہر وقت ہر آن، ہر گوشہ میں انسان سخت ہی ہوتا چلا جائے۔ نرم بھی ہونا پڑتا ہے کیونکہ زندگی کی یہ دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان کے لئے موقع اور محل کون سا ہو، یہ چیز البتہ دیکھنے کی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ زندگی کے ہر گوشے کے اندر ایک ہی خصوصیت رہے گی، سختی رہے گی یا نرمی رہے گی۔

یہودیت زندگی کے ہر گوشے میں سختی کی تلقین کرنے والی تھی۔ ان کے ہاں خدا کے ہاتھ میں آتشیں کوڑا ہوتا تھا۔ وہاں (Mercy) رحم کا تصور ہی نہیں تھا۔ عیسائیت اس تصور کا بالکل ردعمل ہے۔ اس نے خدا کو یکسر Mercy اور رحم قرار دیا، آتشیں کوڑا اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ زندگی نہ اس میں پنپ سکتی تھی اور نہ عیسائیت کے اس تصور میں نمود پا سکتی تھی۔ یہ دونوں چیزیں ہونی ضروری ہیں۔ قرآن نے مختلف مقامات پر اس کے متعلق راہنمائی فرمائی ہے۔ مثلاً

محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم (۴۸/۲۹)

دیکھئے کہ ایک ہی مقام پر زندگی کی یہ دونوں خصوصیات کس خوبی سے اکٹھی آ رہی ہیں۔ زندگی ان دونوں سے بنتی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ مخالفین جب حق کو تلف کرنے کے لئے آتے ہیں تو ان کے مقابل میں یہ چٹان کی طرح سخت ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ (باہمدگر) بریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اس تمہید کے بعد ۳/۱۵۸ کے لفظ ''**لِنت**'' کے معانی دیکھتے ہیں۔

لوہا فولاد بڑا سخت ہوتا ہے لیکن جب اسے ایک خاص درجہ حرارت پر گرم کیا جائے تو نرم ہو جاتا ہے، اتنا نرم کہ سیال بن جاتا ہے۔ بالکل موم کی طرح کا نرم! ایسا نرم ہونے کے باوجود یہ اپنی صلابت اور سختی کی خصوصیت زائل نہیں کرتا، یہی نرم لوہا پھر اپنی اسی سختی میں واپس آ سکتا ہے۔ یہ جو لوہے کی اس طرح کی نرمی ہے، اسے عرب ''**لَین**'' کہتے تھے یعنی حسبِ ضرورت نرم اور حسبِ ضرورت سخت۔ قرآن کریم نے حضرت داؤدؑ کے قصے میں کہا ہے۔

والناله الحديد (۳۴/۱۰) ''فولاد کی نرمی''۔

کتنی خوبصورت اور معنی خیز اصطلاح ہے۔

آپ غور کریں تو ایک نرمی روئی کی بھی ہے کہ جس میں سختی آ ہی نہیں سکتی اور ایک سختی پتھر کی ہے اس میں نرمی کا امکان نہیں۔ ان کے مقابل میں قرآن نے لوہے کی سختی اور نرمی کا ذکر کیا ہے۔ سخت ہوتا ہے تو پتھر کو بھی توڑ دیتا ہے اور اگر نرم ہو تو پانی کی طرح بہہ جاتا ہے۔

اس کے بعد زیرِ نظر آیت کے ایک اور لفظ **فظاً** پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ **فظا** عربوں کے ہاں 'شقاوتِ قلبی' استحصال اور دوسروں کی چیز کو اپنی ذات کے لئے' اپنے فائدے کے لئے نچوڑ کر اور نہایت مکروہ حیثیت سے لے لینا' کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ عرب سفر میں چلتے تھے۔ صحرا میں پانی کی بڑی قلت ہوتی تھی۔ دورِ جاہلیت میں وہ اونٹ کو بہت سارا پانی پلا کر اس کا منہ باندھ دیتے تا کہ وہ جگالی نہ کر سکے۔ پانی خاصا جمع رہتا تھا۔ وہ چلتے تھے اور جہاں کہیں ان کو پانی کی ضرورت پڑتی تھی تو اونٹ کا پیٹ چاک کر کے اس کے اندر جمع شدہ پانی نکال لیا کرتے تھے۔ **فظاً** اپنی پیاس بجھانے کے لئے دوسرے کا پیٹ چاک کر کے پانی لے لینے کو کہتے ہیں۔

اگر غور کریں تو ہمارے ہاں ''لیڈر'' ایسے ہی تو ہیں جو اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے دوسروں کی جان تک لینے میں تامل نہیں کرتے۔

یہ جو ہم مختلف سیاسی جماعتوں کے اراکین حتیٰ کہ ممبران اسمبلی کی اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ دیکھتے ہیں' اسی کا شاخسانہ ہے۔ کچھ غلط تصور لے کر ساتھ آ جاتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ اپنی پیاس کی خاطر پارٹی لیڈر ہمارے پیٹ چاک کرنے پر تل آیا ہے تو وہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ دوسری پارٹی کے لیڈر کے ہاں جاتے ہیں تو بظاہر ان کے ہاتھ خالی نظر آتے ہیں لیکن نشتر انہوں نے بھی تیار رکھے ہوتے ہیں اور پھر وہاں سے بھاگتے ہیں۔

اسی طرح لفظ **غلیظ** کے اندر بھی سختی کا پہلو نمایاں ہے۔ جہاں اصلاح کا امکان ہو وہاں نہایت شفیق باپ کی طرح سے نرم ہو جانا چاہئے۔ جہاں دیکھا جائے کہ کوئی حق اور صداقت کو دنیا سے مٹانے کے لئے انتہائی فرعونیت پر اتر آیا ہے تو حق کی مدافعت کے لئے حصار' دیوار اور سیسہ پلائی ہوئی چٹان بن جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے کہ جس کی وضاحت سورہ الحدید میں ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ ہم نے رسول بھیجے' ان کے ساتھ دلائل اور کتابیں بھیجیں اور اس کے ساتھ شمشیر خارہ شگاف بھی نازل کی۔ (۲۶/۵۷)۔ اس لئے کہ ایسے مقام پر بھی اگر لیڈر نرم کا نرم ہی رہتا ہے تو حق اور صداقت کی حفاظت ہو نہیں سکتی۔ اسے علامہ اقبالؒ نے اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

کانٹے کی سختی پھول کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ کانٹے کی سختی مظلوم کے دل میں چبھنے کے لئے نہیں ہوتی' ظالم کے ہاتھ کو پھول تک روکنے کے لئے ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ جو **غلیظ القلب** کہا ہے **تو لنت لھم** کے لئے نہیں تھا۔ اسی لفظ ''**غلیظ**'' کی آپ ﷺ کو تاکید کی گئی ہے۔

یایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم (۹/۷۳)۔

اے رسول! تم منافقین اور کفار کے خلاف (جو نظام خداوندی کی مخالفت میں انتہا تک پہنچے ہوئے ہیں) پوری پوری جدوجہد کرو' اور شدت اور سختی سے ان کا مقابلہ کرو۔

یہی تاکید جماعت مومنین کو بھی ہے کہ۔

یایھا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ (۹/۱۲۳)

تم ان مخالفین سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں تا کہ وہ تمہاری قوت اور شدت کو محسوس کر لیں (اور سمجھ لیں کہ تم یونہی نگلے نہیں جا سکتے)۔

گویا ایک لیڈر کے لئے نرمی اور سختی دونوں ضروری ہیں۔ لیکن سوال موقع کا ہے کہ کونسی صفت کا ظہور کہاں ہونا چاہئے۔ اگر یہ سمجھنا ہو کہ کہاں کس قسم کا قانون نافذ کرنا چاہئے اور کہاں کس قسم کا انداز اپنانا چاہئے' تو یہ دیکھئے کہ قرآنِ کریم میں کون سی صفت کا ذکر کہاں اور کیسے آیا ہے۔ اگر کہیں غفور اور رحیم ہے تو دوسری جگہ جبار اور متکبر بھی کہا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ حلیم ہے تو دوسری جگہ شدید

العقاب بھی ہے۔

تاریخِ عالم میں جتنی خرابیاں اقوام اوران کے راہنماؤں میں نظر آتی ہیں تواس کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ جس مقام پر **رحماء** ہونے کی ضرورت تھی وہاں **اشداء** ہوگئے ہیں۔ جہاں **اشداء** ہونے کا تقاضا تھا وہاں روئی سے بھی زیادہ نرمی برتے جارہے ہیں۔ ہم اپنی مثال لیں تو آپس میں ہم ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کے اندر جاکر فائرنگ کر کے نمازیوں کو شہید کردیتے ہیں۔ مارنے' جلانے اور بیان بازی کے ماہر ہیں لیکن دشمن کے خلاف کوئی توجہ ہی نہیں ہے بلکہ وہاں توجی حضوری ہوتی ہے۔

لیڈر کی ایک اور اہم خصوصیت یہ بھی ہے۔

واخفض جناحک للمومنینO (۱۵/۸۸)

مومنین کو اپنے بازوؤں کے نیچے سمیٹتے جاؤ۔

لیڈر خطرے کے وقت بھاگتا نہیں ہے بلکہ سب کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر ڈھال بن جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو مصیبت بھی آئے اس پر آئے' دوسرے بچ جائیں۔ اپنے زیرِ اثر لوگوں کی حفاظت اپنے سے مقدم سمجھنا لیڈر کی خصوصیت ہونی چاہئے۔

علامہ اقبالؒ نے اِن قرآنی تصورات کو چند اشعار میں نہایت ہی فصاحت سے بیان کیا ہے۔

مصافِ زندگی میں صورت فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گذر جا بن کے سیلِ تندرو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

اور پھر یہ کہ

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

آپ کی شکایت

بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا

اور یہ بھی

کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔

لیکن

کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

۱۔ **تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ھے یا نھیں۔**
۲۔ **خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ھے یا نھیں۔**
۳۔ **زر شرکت ادا ھوا ھے یا نھیں۔**
۴۔ **اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ کی اطلاع دی ھے یا نھیں۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر علی نصیر عباسی

تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار

جدید سائنس کے انکشافات

یوم پاکستان کے موقع پر بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) کے زیر اہتمام 31 مارچ کو قرآنک سنٹر (صدر) میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔ اس سیمینار میں معروف نوجوان ماہر نفسیات ڈاکٹر علی نصیر عباسی نے "تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار" کے موضوع پر لیکچر دیا جس میں قرآنی اقدار اور عصری اکتشافات کے حوالے سے اعلیٰ کردار کی تشکیل کے ضمن میں نہایت پُر مغز اور معلومات افزا گفتگو کی گئی۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس مفید اور کردار کی تعمیر میں ممد گفتگو سے قارئین طلوع اسلام کو محروم رکھا جائے۔ (سلیم اختر)

یہ سنہ 2002ء اور مارچ کی 31 تاریخ ہے' 23 مارچ کی یاد میں لگتا ہے کہ ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ آپ سب کو مبارک باد ہو اور آپ سب پر سلام ورحمت ہو کہ ایک اچھے مقصد کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں ورنہ بقول علامہ اسلم جیراجپوری مسلمانوں کا اجماع واتحاد (موجودہ تاریخ) میں ہمیشہ یا اکثر باطل پر ہی ہوا ہے۔ اس تقریب سعید پر میں تمام احباب' جو یہاں موجود ہیں اور انتظامیہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر کی خدمت میں بھی دلی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ جناب محترم اقبال صاحب اور ان کی ٹیم قابل تعریف ہیں کہ یہ کام محنت طلب ہیں اور ان میں کافی ٹائم اور دوسرے Resources بھی لگتے ہیں۔ اس قسم کے اجتماعات میں مجھے سائنسی تحقیق آپ کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تا کہ آپ کی زندگیاں سنور جائیں اور یہ ثابت ہو کہ "قرآن حق ہے اور باقی سب افسانے یا وہم وگمان وقیاس"۔ ارشاد قرآنی ہے کہ "ہم انہیں انفس وآفاق میں نشانیاں دکھاتے جائیں گے تا آنکہ یہ بات ابھر کر ان کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقع حقیقت ثابتہ ہے۔" (۴۱/۵۳)۔ میرا طریقہ کار یہی رہا ہے اور اس آیت میں میرا شعبہ یا موضوع "عالم انفس" یعنی نفس انسانی کے معاملات ہیں یعنی Psychology اور Psychiatry وغیرہ۔ ڈاکٹر ودود "عالم آفاق" سے بحث کرتے تھے۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت دے۔ ایسے انسان اور عالم شاید ہی مسلمانوں میں پیدا ہوں۔ آج کی اس بامقصد محفل میں ایسے ہی معاملات سیکھیں گے۔ تا کہ ہمارے دل ودماغ بدل جائیں اور ہماری زندگی اعلیٰ بن سکے۔ اگر ہماری محفلیں بے مقصد ہیں' یعنی ہم ان میں کچھ اعلیٰ وارفع نہیں سیکھتے ہیں تا کہ عملی زندگی بہتر ہو تو ایسی محفلوں کا منعقد کرنا وقت کا اور زندگی

کازیاں اور محض فرار زندگی یعنی Escapism کی قسم ہے۔ اس لئے آپ سے تھوڑی سی محنت چاہوں گا۔ یعنی آپ کو تھوڑی Effort کوشش کر کے گہری توجہ قائم رکھنی ہوگی۔ قرآن حکیم اور علم نفسیات کا قانون مسلمہ ہے کہ ''بغیر محنت و جدوجہد کے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا''۔ ہمارا موضوع کچھ ایسا ہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک ضروری ہدایت جو نفسیاتی نوعیت کی ہے کہ میرے لیکچر کا تعلق بڑے نازک گوشوں سے ہے، اس میں عین ممکن ہے کہ آپ کے دل و دماغ میں منفی جذبات و احساسات شعوری و لاشعوری طور پر پیدا ہوں۔ تو اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ وہ آپ کا ذاتی ردعمل (Psychosocial-Response) ہے۔ میرا مقصد آپ کے جذبات کی توہین نہیں ہے۔ اگر آپ کو یہ محسوس ہو تو یہ آپ کا ذاتی جذباتی ردعمل ہے۔ آپ کی دل آزاری میرا مقصد نہیں، ہوسکتا ہے میری اپیل آپ کی ''عقل'' یا '' Reasoning Faculty'' سے ہے جذبات سے نہیں۔ آپ میں اگر منفی ردعمل پیدا ہو، تو ''علم'' حاصل کرنے اور سیکھنے کے ردعمل کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ نا کہ جذباتی ردعمل وغیرہ۔ ورنہ آپ کچھ بھی سیکھ نہیں سکیں گے۔

ہمارا موضوع ہے تشکیل معاشرہ (پاکستان اس میں شامل ہے) کے لئے قرآنی کردار کی تشکیل۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'پاکستانی معاشرہ' کے لئے یا کسی اور معاشرہ کے لئے بھی ''قرآنی کردار'' کی ضرورت؟ لیکن کیوں؟ اس سے کیا فائدہ؟ اور ایسا نہ کرنے سے کیا نقصان ہوگا؟ اس طرح کے زندگی کے اہم ترین مسائل پر تو تحقیق سب سے زیادہ مسلمان ممالک میں ہونی چاہئے تھی۔ بہرحال کس کس بات پر روئیں اور ہمارا تحقیق سے کیا واسطہ؟

مفکر عظیم جناب پرویز صاحب نے ایک بار بڑے دکھ سے اور الم انگیز انداز میں ٹھیک کہا تھا کہ ''پاکستان میں ''علم'' جنس کا سد سمجھا جاتا ہے''۔

میں شروع ہی سے اپنا نکتۂ نظر بتا دینا چاہتا ہوں کہ چاہے وہ پاکستان کی تشکیل ہو یا کسی بھی معاشرہ کی تعمیر و بقا' اسکا دارومدار ''کردار'' یا ''کیریکٹر'' پر ہی ہے اور ہمیشہ یہی قانون رہا ہے اور رہے گا۔ ماضیٔ قریب میں (1947) آزادیٔ وتشکیل ملک پاکستان کی وجہ بھی ''کردار'' تھا اور مزید ترقی و بقا بھی ''قرآنی کردار'' کے ذریعے ہی سے ہوگی ورنہ نہیں۔

میں یہی حقیقت جدید سائنس کی تحقیقات سے ثابت کرنا چاہوں گا۔ قرآن حکیم کا سارا زور ہی کردار پر ہے یعنی "Character Is Destiny"۔ قومی معاملہ ہو یا معاشرتی یا شخصی (Individual/Personal) ہو یہ ہی قانون ہے۔ یعنی تشکیل کردار یا کیریکٹر سازی کے بغیر انسانی مسائل حل نہیں ہوں گے چاہے آپ کچھ بھی کر لیں۔ کراچی کے Defence میں رہ لیں یا امریکہ چلے جائیں یا چاند پر چلے جائیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آیئے مزید تفصیل سے سمجھیں یعنی سائنس کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔

اس علم کو یا Study کو عام طور پر نفسیات میں "Characterology" کہا جاتا ہے۔ یہ اب تو ایک باقاعدہ شعبۂ علم بن چکا ہے۔ اب اس کے بڑے بڑے ماہرین تحقیق و تجربات سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں' خاص طور پر معاشرتی اور تنظیمی معاملات میں تشکیل کردار یعنی لیڈروں کا کردار ''اعلیٰ'' ہونا ضروری ہے۔ ورنہ سب کچھ بے کار ہے۔ ساری کوششیں جو صدیوں سے ہو رہی ہیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

ابھی' ایک ریسرچر Sheehy نے تشکیل معاشرہ اور کردار سے متعلق 25 سالہ تحقیق کا نام ہی "Character" رکھا ہے۔ جس کی ابتداء ہی کچھ یوں ہے۔ ''اگر آپ عمل کا بیج بوئیں گے تو عادت کا پھل کاٹیں گے۔ پھر اگر عادت کا بیج بوئیں گے تو کردار یعنی کیریکٹر کا پھل کاٹیں گے اور پھر اگر کردار کا بیج بوئیں گے تو ہمیں ہماری منزل مقصود مل جائے گی'' اصل الفاظ یوں ہیں۔

"Sow an act, and you reap a habit, Sow a habit and you reap a character, Sow a character and you reap a destiny."

اس قانون کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنے نتائج پیش کرتی ہیں جو غور طلب ہیں مفہوم ہے کہ ''اور جیسے ہی' جس وقت ہمارے منتخب قومی نمائندے یا نیشنل لیڈر اقتدار ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو اسی لمحے ان کے کردار کا بیج قوم کی تقدیر بن جاتا ہے' قوم کی منزل مقصود اسی کردار کے مطابق طے پاتی ہے۔ قوم کی تقدیر لیڈروں کے کردار پر منحصر ہوتی ہے وغیرہ۔''

"By the time they become national leaders, the candidate's character are sown... the destiny they reap will be our own".

اور آپ حضرات متوجہ ہوں کہ معاملہ غور طلب آ رہا ہے کہ

"Finally, examining how character is formed in our national leaders, is an effective way to learn about our selves."

یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ قرآنی آیت کا ترجمہ ہو کہ' جیسے ہم خود ہوتے ہیں ویسے ہی ہمارے لیڈر ''یا'' جیسے لیڈر ویسی ہی قوم'' .... یہ ہے پیمانہ۔

ان مسائل پر گہری اور Objective Research معروضی تحقیق کرنے والے اب بھی مغرب میں بہت کم ہیں۔ تحقیق تو وہ ہی کرتے ہیں اور ان کا یہ احسان عظیم انسانیت پر ہے۔ بہر حال ان حالات میں بڑے انتظار اور مسلسل تحقیق کے بعد ہی ایسی اعلیٰ درجے کی علمی و عملی تحقیق سامنے آتی ہیں۔ جن عظیم علماء یا مفکرین نے ان معاملات کی گہری اور وسیع ریسرچ کی' ان میں ممفورڈ کا نام بہت اونچا ہے۔ بڑا عظیم عالم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اگر ہم پورے کردار یا ساری شخصیت کو نہیں سنواریں گے تو ہم فیل ہوتے جائیں گے۔ جیسے کہ پچھلے پانچ سو سال کی تاریخ میں ہوا۔ معاشرتی و معاشی و سیاسی لحاظ سے بیرونی طور پر ہم کچھ بھی کر لیں اگر ہم نے متوازن کردار یا Balanced Personality تعمیر نہیں کی تو ہماری تہذیب تنزل کی طرف گرتی چلی جائے گی جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے' تو ضرورت مکمل نشوونما ذات یا کردار انسانی کی ہے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔''

ڈاکٹر فرام' (Fromm) جنہیں شاید نوبل انعام ملنا چاہئے تھا' لیکن مغرب کی غیر منصفانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت نے گوارا نہ کیا۔ جو ایک عظیم نفسیاتی ماہر و معاشرتی علوم کے بلند ترین عالم ہیں۔ ان کی ساری زندگی اسی پیچیدہ ترین موضوع کی تحقیق میں گزری اور ان کی ہر کتاب تقریباً اسی معاملے کی تفسیر ہے۔ خاص طور پر ان کی کتابیں۔

"To Have or To Be", "The Anatomy of Human Destructiveness", The Sane Society".

بڑی ہی قابل قدر خدمات ہیں نوع انسانی کی۔ وہ ان نتائج پر پہنچا ہے کہ تشکیل معاشرہ کے لئے اعلیٰ کردار ضروری اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر تشکیل معاشرہ ممکن ہی نہیں اور ایسا کرنا تو کیا۔ ایسا سوچنا بھی غلط ہے اس کے برعکس سوچ Abnormal Mind یا Destructive Character کی علامت قرار دی جاتی ہے وغیرہ۔ اس کا کہنا ہے کہ اعلیٰ کردار "Being Mode" یا "Loving Character" یا (Productive-Creative Character) کے بغیر تشکیل معاشرہ ممکن نہیں۔ مثلاً "The Anatomy of Human Destructiveness" میں جو ایک Pioneering Research.... ہے اور آج تک یعنی سنہ 2002ء تک اسکے پائے کی تحقیق نظر نہیں آتی۔ ساری کتاب میں صاف بتایا گیا ہے کہ برے یا منفی کردار یعنی Destructive Character کے لوگوں یعنی لیڈروں کے آنے سے قوموں کا کیا حال ہوتا ہے؟ اور دنیا کس دردناک عذاب سے دوچار ہوتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کی طرح کے حادثات اور ان سے پیدا ہونے والی تباہیاں اسی کا نتیجہ ہیں مثلاً Hitler (ہٹلر) اور Stalin (سٹالن) وغیرہ کے کردار کا نتیجہ انسانیت اب تک بھگت رہی ہے۔

لینن (Lenin) کی ساری زندگی کی جدوجہد کا خاتمہ کہاں ہوتا ہے دیکھیے!

لینن کی عظیم جدوجہد سے روس آزاد ہوا اور ایک معاشرتی تجربہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ لینن کردار یعنی کیریکٹر کا قائل نہیں تھا۔ لیکن زندگی کے آخری وقت میں اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوگیا۔ جب کہ (Stalin) سٹالن کو اقتدار دیا جارہا تھا۔ تو اس نے وصیت کی کہ ایسا نہ کریں۔ لیکن بہت دیر ہوچکی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ روسی قوم نے Stalin کے کیریکٹر یا کردار کا بیج بویا اور وہ دیکھو! آپ کے سامنے روسی قوم کا نظام تباہ ہوگیا۔ صدیوں کی محنت اور عظیم قربانیاں بے کار ہوگئیں۔ آج اس تجربہ کے نتیجے عبرت کے لئے باقی ہیں۔ ساری انسانیت کے لئے یہ رک کر سوچنے اور سمجھنے کا مقام ہے کہ اس طرح کے جذباتی فیصلوں کا انجام ایسا ہی ہوگا۔

فرام کی آخری عظیم تحقیق "To Have or To Be" تو نام سے ہی ظاہر ہے۔ اس میں بھی وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اعلیٰ انسانی معاشرہ "Good Society" صرف اور صرف اعلیٰ انسانی کردار کا ہی نتیجہ ہے۔ اور برا یا ''انسانیت کش معاشرہ'' انسانیت کش کردار سے پیدا ہوتا ہے۔ جسے وہ "Having Mode" کہتا ہے۔ "Having Mode" کا تجربہ تو ہمیں ہر پل ہو رہا ہے۔ اس کے تجربے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساری دنیا اسی کردار کے نتائج بھگت رہی ہے۔

1997ء میں ڈاکٹر Bennis نے اپنی ساری زندگی کی تحقیق پیش کی ہے۔ اس کا بین الاقوامی مقام ہے اور لیڈرشپ اور "Organizations" کے بہت بڑے ماہر مانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر بینس کے نتائج بھی غور طلب ہیں نوع انسانی کے لئے۔ سنئے دل کے کانوں سے۔

''ہماری کامیابی وناکامی کا دارومدار ہر طرح کی تنظیم میں (چھوٹی تنظیم سے قومی تنظیم تک) تنظیموں کی اوپری سطح کے کردار کی نوعیت ومعیار (Quality) پر مبنی ہے۔''

"The Success and failure of all organization, rests on the percieved quality at the top."

اور یہ کہ ''ہم لیڈروں کے بغیر چل نہیں سکتے' کوئی کام ہی نہیں کر سکتے ہیں۔ ہماری زندگی کا دارومدار لیڈروں کے کردار کی نوعیت ومعیار پر مبنی ہے''۔

"We can not function with out leaders. Our quality of life depends on the quality of our Leaders."

یعنی پھر قرآنی آیات کا مفہوم ہے کہ جیسے ہم ویسے لیڈر یا جیسے ہمارے لیڈر ہوں گے ویسی ہی قوم۔ آگے سنئے یہ سائنس دان کیا کہتا ہے:

''250 ملین امریکیوں کی زندگی کا دارومدار ہی لیڈرشپ پر ہے۔ ہمارا سارا کلچر یا سسٹم بحران زدہ ہے اور یہ بحران بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ امریکہ اپنا راستہ بھول چکا ہے۔ نشے کی لت کے معاملے میں ہم نمبر 1 (ایک) قوم ہیں۔ سارا معاشرہ' تمام تنظیمیں اور ادارے Institutions بحران میں ہیں۔ کیونکہ ہماری لیڈر شپ کا کردار یا کیریکٹر گر چکا ہے۔ یعنی ہمارے امراض کی تشخیص دراصل لیڈرشپ کا بحران ہے۔ جس سے سارے کے سارے مسائل ابھرتے ہیں۔ جب لیڈرشپ کا معیار (Quality) گرے گا مسائل حیات بڑھ جائیں گے۔ جس طرح انسان بغیر دماغ کے کام ہی نہیں کر سکتا ہے' اسی طرح سے معاشرہ لیڈروں کے بغیر چل نہیں سکتا ہے اور اس طرح سے تنزل وتباہی جاری رہے گی۔ جب تک لیڈروں کے کردار ٹھیک نہیں کریں گے ہم بحران زدہ اور تباہ ہوتے جائیں گے۔ یعنی پہلا کرنے کا کام اعلیٰ کردار کے لیڈر بنانا ہے اور پھر معاشرتی نظام بلند ہو سکے گا۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ لیڈرشپ ہے کیا بلا؟ ڈاکٹر بنیس کا یہ جواب انتہائی غور طلب ہے۔ سنئے! وہ کہتا ہے۔

''لیڈرشپ اعلیٰ کردار کا دوسرا نام ہے۔ (Leadership is Character) یا دوسرے الفاظ میں یہ "Integrated Adult" کو کہتے ہیں۔ (نشوونما یافتہ ذات) اور مزید سمجھاتا ہے کہ اس کے معانی ہیں کہ 'بحیثیت انسان 'ہم' کیا ہیں؟'' (Who we are as Human Being?) اور لیڈر کی تشکیل کا عملی طریقہ (process) وہی ہے جو اعلیٰ درجہ کا انسان بننے کا طریقہ ہے۔''

ڈاکٹر فرام اپنی عظیم کتاب "The Art of Loving" میں اس امر کی وضاحت کتاب کے آخری باب میں یوں کرتے ہیں کہ ''اگر اعلیٰ کیریکٹر کی خصوصیات عملی طور پر ہماری قوم کی زندگی میں مسلسل ومتواتر منتقل نہیں ہوں گی تو کچھ بھی کر لیں' ہماری پانچ ہزار سالہ تہذیب نیست ونابود ہو جائے گی۔''

ابراہیم میسلو (Maslow) کا شمار بھی دنیا کے عظیم مفکرین اور نفسیات کے سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔ وہ بھی عبرت انگیز وپراز نصیحت نتائج پر پہنچتا ہے کہ ''اعلیٰ سوسائٹی کے ساتھ اعلیٰ کردار شرط اولین ہے اگر اعلیٰ کردار سازی پر معاشرہ نے توجہ نہیں دی تو ہمارا وجود مٹ جائے گا۔''

آپ نے دیکھا کہ کہاں پہنچ گئے ہیں یہ علماء یا سائنسدان

اور مفکر؟ دیکھئے اور غور کیجئے کہ قرآن کی آواز کہاں سے ابھر رہی ہے۔ کیا قرآن حکیم نے سچ نہیں کہا کہ ''ہم انہیں عالم انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے تاکہ یہ بات ابھر کران کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقع حقیقت ثابتہ ہے''۔

پھر عرض کروں گا کہ کوئی بھی کام ہو، کوئی بھی انسانی زندگی کا معاملہ ہو اس میں کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر ایک قدم بھی ترقی ممکن نہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں یہی قانون حق ہے۔ موجودہ مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم قومیں، اور ہماری تباہی و بربادی و بحران کے معاملے، جس کے ہم عین گواہ ہیں ان سب معاملات کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔ یعنی لیڈر شپ کا معیار اعلیٰ نہیں ہے۔ یعنی قرآنی کردار کی کمی یا نہ ہونا ہے اور یہ بات بھی غور طلب ہے کہ دنیائے علم جدیدہ کے یہ ماہرین جو تفصیل اس کردار کی بتاتے ہیں کہ جس کے بغیر بات بنتی نہیں ہے، تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے اور بات ہے بھی باعث رشک کہ وہ قالب یا "Pattern" یا "Design" بھی قرآنی کردار کی (غیر مکمل) سی تفصیل ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ آج متمدن دنیا اپنی تحقیق سے اس مقام اعلیٰ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے جس کا انکار وہ عملی طور پر صدیوں سے کرتی چلی آئی ہیں۔ نامور مفکر ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری جو مشرق و مغرب کا گہرا تجزیہ و مطالعہ رکھتے ہیں اور اسلامی تہذیب کے بڑے عالم ہیں۔ اپنی تحقیق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے:

''میرا خیال ہے کہ دنیا کی متمدن قومیں آج وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جس مقام پر فاروق اعظمؓ (حضرت عمرؓ) اس زمانے میں پہنچے تھے۔ لیکن یہ متمدن قومیں آج بھی اس مقام تک سخت جدوجہد اور مشکلات کا مقابلہ کیے بغیر نہیں پہنچ سکیں گی۔'' (الفتنۃ الکبریٰ)۔

یورپ اور امریکہ کی تاریخ میں وہ دن سیاہ ترین دن تھا، جب ان کی درسگاہوں سے یہ اعلان کیا گیا کہ قرآن یا اسلام بھی دوسرے مذاہب عالم کی طرح ایک مذہب یعنی محض "Religion" ہے اور مذہب کو تو وہ تیاگ چکے تھے۔ قرآن حکیم کو بھی وہ عین اس مقام پر لے آئے۔ دنیا کے تمام مذاہب تو مغرب کے علماء کے نزدیک افسانے بن کر رہ گئے تھے جو حقائق کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتے تھے اور دنیا نے مغرب کے دوسرے مذاہب کے خلاف جو ردعمل اختیار کیا، اس کی شدت میں بغیر تحقیق کیے یہ جذباتی فیصلہ عام طور پر نافذ کر دیا جس کے نتائج یہ نکلے کہ وہ قرآنی حقائق کی طرف سے اندھے اور بہرے ہو گئے۔ اس گناہ عظیم کے بعد کس طرح پھر حقائق قرآنی ان کے سامنے آسکتے تھے۔ مزید یہ کہ ہمارے موجودہ کردار نے بھی تو انہیں روک رکھا ہے کہ ایسے ہوتے ہیں مسلمان جیسے ہم ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم دوگنے عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ خدا کا قانون ہے۔

اب ہم آتے ہیں تشکیل پاکستان کی طرف، کہ اس کا کردار سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں؟ ہم وقت کی کمی اور دوسرے محرکات کی وجہ سے اختصار سے کام لیں گے۔

انیسویں صدی کا آغاز ہو چکا تھا سلطنت مغلیہ آخری ہچکیاں لے رہی تھی اس برصغیر کے مسلمانوں کی داستان زوال، مایوسی اور شکست کے ان مراحل سے گزر رہی تھی جن کا انجام حسرت ناک موت کے سوا اور کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ مسلمانان ہند کے زوال و شکست کی یہ تاریک رات عہد رفتہ میں صدیوں تک پھیلی ہوئی تھی کہ 1857ء کی بغاوت ہند، شدت جذبات کی آخری کڑی ثابت ہوئی۔ یہ جرات مسلمانوں کو بڑی ہی مہنگی پڑی اور انگریزوں نے ہندوؤں کی سرپرستی کی اور یہ دونوں مظلوم و نہتے مسلمانوں کے خلاف ڈٹ گئے۔ آتش انتقام سے محکومی و محرومی و مظلومی، غربت و

افلاس، بے بسی اور بے چارگی کے بھیانک سائے چاروں اطراف سے مسلمانان ہند کو گھیر چلے تھے۔ مسلمانوں کی زندگی گویا کہ ایک قبرستان سی بن گئی تھی۔ چاروں طرف حسرت و مایوسی اور شکست کی نوحہ خوانیاں بپا تھیں اور نظر آتا تھا کہ یہ قوم اب گری یا اب۔ جیسے کہ موت کا انتظار ہو۔ یہ دم توڑتی ہوئی قوم عالم سکرات میں ایک بار پھر نشاۃ ثانیہ اختیار کر سکے گی، زندہ ہو سکے گی، ممکن ہی نظر نہیں آتا تھا۔ کوئی معجزہ ہی ایسا کر سکتا تھا۔ یہ معجزہ ہوا۔ وہ معماران پاکستان کے کردار Character کا معجزہ تھا۔ ان کے عظیم کیریکٹر نے پھر سے ہمیں دنیا کی آزاد قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

تاریخ بتا رہی ہے کہ قومی زندگی کے نازک ترین موڑ پر اگر ہمیں ان عظیم وجلیل راہ نماؤں کی قیادت نصیب نہ ہوتی تو آج ہم اغیار کی غلامی اور محکومی میں مزید تباہ و برباد ہو رہے ہوتے جیسا کہ پچھلے پچاس سالوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے اور موجودہ ہندو مسلم فسادات میں جو حالت زار مسلمانوں کی ہے وہ آج آپ کے سامنے ہے۔ ان حالات کی صرف ہلکی سی جھلکیاں آپ کے سامنے آتی ہیں۔ باقی حقائق ظلم وستم کے بارے میں پروپیگنڈا (Propaganda) اور دوسرے طریقوں کی وجہ سے سامنے نہیں آسکتے ہیں۔

ہماری نشاۃِ ثانیہ کی داستان سرسیدؒ سے شروع ہوئی اور اقبالؒ سے ہوتی ہوئی عظیم رہنما جناحؒ پر ختم ہوئی ہے۔ یہ جیت اور تشکیل معاشرہ ان تینوں کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے ہوئی۔ مسلمان تو کیا غیر مسلم بھی ان کے کردار کے قائل ہیں۔ میں ان تینوں میں سے صرف آخری کڑی محترم جناح کے کردار کے متعلق بہت مختصر سی بحث کروں گا۔ ویسے تو ان تینوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑا سا کہتا چلوں مثلاً علامہ اقبال جو بظاہر ہمیں لگتا ہے کہ بس محض ایک شاعر و فلسفی سے ہی تھے۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ساری زندگی انہوں نے مسلمانان ہند اور انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ ان کے لئے ایک تجزیہ یہ بھی ہے کہ اگر وہ اپنی صلاحیتیں کہیں اور لگاتے، وہ اتنی تھیں کہ ''فورڈ'' وغیرہ سے بھی آگے ہوتے دولت و دنیاوی معاملات میں۔

ہم بات قائداعظمؒ کی کر رہے تھے۔ سرسید و اقبال کی جدوجہد شاید بے کار چلی جاتیں اگر جناح ان کی کی ہوئی محنت کو ساحل مراد تک نہ پہنچاتے۔ عظیم انسان ومفکر پرویز صاحب سے بڑا گواہ اور کون ہوگا۔ انتہائی مستند گواہ۔ وہ جائزہ لیتے ہیں کہ ''جناح نے پورے دور میں ایک لحہ کے لئے بھی جذباتی رجحان کی دلفریبیوں کا سہارا نہیں لیا۔ ہندو قوم تعلیم و ترقی اور فکر و شعور کی سنجیدگی میں مسلمانوں سے کس قدر آگے تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی گاندھی جیسی شہرۂ آفاق شخصیت کو اپنی لیڈرشپ کا سکہ جمانے کے لئے مہاتمائی روپ دھارنا پڑا اور وہی انداز اختیار کرنے پڑے جو ہندو کے جذبات کو اپیل کر سکیں۔ لیکن کیا حیرت انگیز ہے سیاسیات ہند کی تصویر کا دوسرا رخ کہ جناح مسلمانوں جیسی جذباتی قوم کی قیادت کے لئے میدان میں آئے اور انہوں نے قومی جذبات پر اثر انداز ہونے کے لئے اس قسم کا کوئی ادنیٰ کھیل کھیلنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے اس قسم کی دلفریب نمائشوں سے کلیتہً اجتناب کیا۔ یہی جناح کی عظمت کا وہ امتیازی نشان ہے جسے ہم ان کے کمالات میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یہی تھا ہماری فتح عظیم کا وہ حقیقی راز جو حصول پاکستان کا حقیقی امین قرار پائے گا۔'' اور ''پھر اقبال کے خطاب الہ آباد کے ٹھیک دس سال بعد جناح 1940ء میں قراردادِ پاکستان کو لے کر میدان میں آچکے تھے اور یہ جدوجہد 1947ء میں حصول پاکستان پر منتج ہوئی۔'' یہ سات یا دس سالوں کا عرصہ! اور پھر یہ نتائج!

تاریخ انسانیت حیران ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ مزید یہ کہ ہماری بے سروسامانی بھی تو دیکھئے۔ جائزہ ہے کہ

''تحریک پاکستان کی مخالفتوں کا ہجوم جن کا مقابلہ قائداعظم تن تنہا کر رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس تحریک کے ہم نوا لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں تھے۔ لیکن ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ فوج کے سپاہیوں کی سی تھی۔ ان کا کمانڈر صرف ایک تھا۔ انہوں نے یہ خطرناک جنگ کس سازوسامان کے ساتھ لڑی اس کا اعلان انہوں نے ایک اجلاس میں ان الفاظ میں کیا تھا۔'' اورنگ زیب روڈ نئی دہلی پر میری نجی قیام گاہ کو شاید رشک کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔ مگر یہ تو دیکھئے کہ ہمارا سیکریٹریٹ کہاں ہے، فوج کہاں ہے، میرا اسلحہ خانہ کس قدر ہے۔۔ ایک اٹیچی کیس۔ ایک ٹائپ رائٹر اور پرسنل اسسٹنٹ۔ بس یہ ہے ہمارا سازوسامان اور اسلحہ اور فوج۔'' مفکر قرآن پرویز صاحب خراج تحسین یوں پیش کرتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ ''اس مرد مجاہد کے کردار کی پاکیزگی اور بلندی ہی تھی جس سے انگریز، ہندو اور خود اسلام کے علمبردار لیڈروں کی پیہم اور متحدہ مخالفتوں کے علی الرغم اس جنگ میں ایسی شاندار کامیابی ہوئی۔'' (طلوع اسلام دسمبر 1984ء)۔

یہ تو تھی محترم پرویز صاحب کی گواہی۔ اب آخر میں لیجئے دشمن کی گواہی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی گواہی سے مستند گواہی اور کس کی ہوگی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی موت سے کچھ عرصہ قبل انٹرویو دیا کہ ''مسلمانان ہند کو صرف یہ شخص ہی بام ترقی اور بام عروج پر لے گیا ہے۔

مسٹر ڈینس! میں اب عمر کے آخری دور میں داخل ہو گیا ہوں۔ بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اس عمر میں غلط بات نہیں کروں گا۔ میں نے سچ بات من وعن بیان کر دی ہے۔ تقسیم ہند کے ڈرامے کا واحد کردار فقط میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔ تمام سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا، وہ مسٹر محمد علی جناح کی ذات و شخصیت تھی۔ میں نے ان میں منافقت کا شائبہ تک نہ دیکھا۔ اتنا بلند کردار انسان اور قومی لیڈر شاید ہی مسلمانوں کو دوبارہ ملے۔'' (جنگ 24 دسمبر 2001ء)۔

اور تازہ ترین جائزوں میں محترمہ شمیم انور نے، ابھی دسمبر 2001ء میں، اس پہلو کا جائزہ بڑی خوبصورتی سے اور اختصار سے یوں لیا ہے جسے کوزہ میں دریا بند کرنا کہا جائے تو صحیح ہوگا۔ وہ کہتی ہیں ''تاریخ ثابت کرتی ہے کہ بہرحال جناح کے مخالفین میں برطانوی تسلط، جن کی حکومت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ یعنی اتنی بڑی سلطنت اور قوت کی حامل حکومت، ہندو قوم جس میں ان کے دولتمند برلا و ٹاٹا بھی شامل تھے اور مسلمانان ہند کی ساری مذہبی پیشوائیت اور تنظیمیں بھی۔ ان سب کا مقابلہ جناح نے کیا۔ ان کے پاس محض اور محض اعلیٰ کردار تھا اور دیکھو کیریکٹر کی جیت ہوئی۔ یہ تمام طاقتیں ہار گئیں۔ کیریکٹر بڑی چیز ہے۔'' تو محترم ساتھیو! یہ ثابت ہوا کہ قرآنی کردار کے بغیر اعلیٰ معاشرہ کی تشکیل یا تشکیل پاکستان یا بقاء وطن ممکن نہیں۔ اللہ پاکستان کو برقرار رکھے۔ لیکن اس کے لئے انسان سازی یا کردار سازی پر توجہ دینی ہوگی۔ اسی طرح سے جیسے قرآن حکیم نے کہا ہے۔

میں نے آپ کے سامنے قرآنی حقائق (Universal Laws) کو ماڈرن سائنسی تحقیق سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ شاید یہ قوانین آپ کے ''دماغ'' سے ''دل'' میں اتر پائیں۔ مزید یہ کہ محترم مفکر قرآن پرویز صاحب کے الفاظ میں ''کرنے کا کام'' یہ ہے کہ

''اس اعتبار سے آنے والے تمام زمانوں کے لئے سیرت رسول اللہ ﷺ اور سیرت خلفاء راشدینؓ اسوۂ حسنہ قرار پائی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سیرت و کردار کے

حامل مومن قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ بنابریں جو قوم اسلامی نظام قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھے اس کے لئے کرنے کا پہلا کام یہ ہوگا کہ قرآنی تعلیم و تربیت سے مومن پیدا کرے، جو نظام کو قائم کرکے چلا سکیں۔ جب یہ مومن پیدا ہو جائیں گے، تو وہ قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اس نظام کا طریق کار بھی متعین کرلیں گے اور اسلامی قوانین بھی مرتب کرلیں گے۔ اس کے سوا اسلامی نظام کے قیام کی کوئی صورت نہیں۔"

موجودہ حالات میں ہم سب نے اس سلسلے کے ارتقاء کے لئے زمین ہموار کرنی ہے اور بیج بونے ہیں۔ شاید صدیوں تک! پتہ نہیں فصل کون سی خوش نصیب قوم کاٹے گی۔ لیکن یاد رہے کہ جو بھی جدوجہد آپ سب نے قرآن کے مطابق کی تو "نظامِ ربوبیت" قائم ہونے میں آپ کا بھی ہاتھ ہوگا۔ کتنی بڑی سعادت ہوگی یہ اور انسانیت کی یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ ایسی ہی خدمت سے کردار بنتا ہے اس عملِ پیہم میں ہمیں عام عملی سیاست میں حصہ نہیں لینا۔ نا ہی کوئی "عوامی" طریقے اپنانے ہیں۔ غلط ذرائع اور وسائل کا خیال تک دلوں میں نہ لایئے۔

آخر میں میں یہ عرض کروں گا کہ میں اس موضوع کا نام یہ رکھنا چاہتا تھا۔ "بزموں کی تشکیل و بقا کے لئے قرآنی کردار کی ضرورت" کیونکہ باباجی کی وفات کے بعد سے ہی ہماری تحریک کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ ہم مسلسل شدید بحران کا شکار ہیں۔ جو جاری ہے بڑی تیزی سے۔ اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن اگر سمٹایا جائے تو وجہ اس زوال کی، سبب اس بحران کا بے زری یا وسائل کی کمی نہیں ہے۔ سبب کچھ اور ہے، وہ ہے: "کردار یا کیریکٹر سازی نہیں ہے"، یعنی زیادہ سے زیادہ شاید ہم اپنی بزموں میں لٹریچر اور درس پھیلا رہے ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے اور اس کام کے لئے آپ سب باعث تحسین و آفرین ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اندر خوشگوار قرآنی کردار تخلیق نہیں کر رہے ہیں۔ نا ہی کردار سازی پر بزموں میں زور شور ہے۔ نا کوئی پلان ہیں، اپنے خاص تقاضوں کے لحاظ سے۔ مکمل طور پر تو کردار سازی نظامِ قرآنی میں ہی ممکن ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ عملی طور پر ہم کچھ بھی نا کریں۔ یعنی ہمارا کردار تو روائتی پاکستانی، امریکی، برطانوی یا ہندوستانی وغیرہ رہے اور نتائج کچھ اور ملیں!

اب تو بہت سے لوگ اس عظیم ترین قرآنی لٹریچر سے بھی کچھ بور ہو گئے ہیں کہ ہمارے ہاں سے (Some thing new) کے تقاضے ہوتے ہیں کہ جو کچھ موجود ہے وہ کافی نہیں۔ ہماری بزموں میں دوسرے مصنفین کی "Low quality books" یعنی غیر معیاری کتابیں بھی بیچی جاتی ہیں اور پیش کی جاتی ہیں۔ اور بظاہر وجوہات بہت سی بتائی جاتی ہیں لیکن اصل وجوہات نظروں سے اوجھل ہیں۔ یہ شعوری و لاشعوری محرکات ہمیں ہڑپ کر جائیں گے۔ قرآنی پیغام پھیلانے کے ساتھ ساتھ، اگر ہم قرآنی کردار اپنے اندر تخلیق کرتے رہے تو ہم باقی رہیں گے ورنہ نہیں۔

نوعِ انسانی اور متمدن قوموں کا مستقبل صرف اور صرف خالص قرآنی تعلیمات سے وابستہ ہے۔ جو کہ صرف ہمارے پاس ہے اور کہیں بھی نہیں۔ نفسیاتی و معاشرتی علوم میں یہ بار بار ثابت ہو چکا ہے کہ "محض کتابیں شائع کرنے سے اور اعلیٰ پائے کے مقرروں کے ذریعے پیغام پھیلانے سے معاشرہ میں تبدیلی نہیں آسکتی ہے۔ وہ فکر جو عملِ پیہم سے محروم ہو تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ فکر نیست یا فنا نہ ہو جائے۔" ڈاکٹر فرام نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا اور ڈاکٹر گروف Grof جو اس سال 2002ء میں بین الاقوامی سطح کے ماہر نفسیات و سائنسداں ہیں، وہ اس قانون کو یوں سمجھاتے

ہیں کہ "اگر فکر پر عمل نہیں کیا جائے گا تو وہ فکر معدوم ہو جائے گی۔ اس فکر کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہیں۔" یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال اپنے مشہور لیکچرز کا آغاز ہی یوں کرتے ہیں کہ "قرآن پاک کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ 'فکر' کی بجائے 'عمل' پر زور دیا جائے۔" حقیقت یہ ہے کہ بغیر عمل کے حق پر مبنی نظریہ بھی محض ایک تصور بن کر رہ جاتا ہے اور تصور کو اپنے اظہار کے لئے اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے اگر سچے نظریہ کو تھامنے کے لئے افراد میسر نہ ہوں تو وہ صرف کتابوں تک محدود ہو کر ماضی کی یادگار بن جاتا ہے۔

عظیم مفکر و راہنما محترم پرویز صاحب بار بار کنونشن میں تربیت کے دوران یہ کہا کرتے تھے کہ "قرآنی نظام کی داعی جماعت کے افراد کو دیکھنا کہ انہوں نے اپنے اندر کس قدر تبدیلی پیدا کی ہے۔ ان کا قلب و دماغ کس حد تک قرآنی تصورات سے ہم آہنگ ہو چکا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کہاں تک قرآنی قالب میں ڈھل چکے ہیں۔ ان کی آرزوؤں اور ارادوں کے محرکات کس حد تک قرآنی مقاصد ہیں۔ وہ اپنی ذات، اپنے اعزہ و اقارب اور دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملات میں قوانین خداوندی کی کس قدر نگہداشت کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اندر اس قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تو پھر آپ نے دوسرے معیاروں کے مطابق کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لی ہو، قرآن کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ لیکن اگر ہمارے کردار اور تصورات میں انقلاب پیدا ہو چکا ہے تو یہ کامیابی بڑی کامیابی ہے۔"

وہ بار بار سمجھاتے تھے کہ "قرآن کریم کا حقیقی مقصد انسان کی سیرت و کردار میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرنا ہے کہ اتباع کتاب کا پہلا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ خود تمہاری اصلاح ہو۔ لیکن تم دوسروں کی اصلاح کے پیچھے تو لٹھ لئے پھرتے ہو، لیکن اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے۔" اور یہ کہ

"آپ نہ تو اپنی دعوت کے نتائج کی سست روی سے گھبرایئے اور نہ ہی سامریان عصر حاضر کی کامیابی کو ان کے مسلک کی صداقت کی علامت سمجھئے اور اسے اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ اس میں سب سے زیادہ گراں بہا متاع سفر اور محکم ترین سامان حفاظت' آپ کی سیرت کی بلندی اور کیریکٹر کی پختگی ہے۔ آپ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز' آپ کی اپنی ذات کے ساتھ دیانت اور دوسروں کے ساتھ حسن معاملہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر یہ جوہر پیدا کر لیے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی ہے۔" ہم نے اس طرح کا سب کچھ پسِ پشت ڈال دیا ہے پھر اپنی تباہی کی وجہ پوچھتے ہیں۔

قرآن حکیم کی اقدار یا Values کے مطابق چلنے کی کوشش مسلسل کرنے سے اور ساتھ ساتھ اس پیغام عظیم کو عام کرنے سے ہمیں ہماری منزل مل جائے گی۔ جسے "کردار" یا "کیریکٹر" کہتے ہیں۔ اس طرح سے پیام قرآنی بہت تیزی سے پھیلے گا۔ جیسا کہ محترم پرویز صاحب کی زندگی کے ماڈل سے ثابت ہوتا ہے۔ ہمیں کچھ اسی طرح سے اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق کرنا ہو گا۔ اس پر امن اور آئینی اور احسن طریقے سے جو صبر طلب اور محنت طلب بھی ہے، ہم سے قربانیاں بھی مانگتا ہے، اس سے بڑے گہرے اور دور رس اثرات نوع انسانی پر مرتب ہوتے ہیں۔ شاید سائنس میں "کونز" اسے Miami Effect کہتا ہے اور کوئی Covey کی اصطلاح میں Whale Effect اور ڈاکٹر فرام کے الفاظ میں Integrated-Step کہتے ہیں۔ مثلاً قائداعظم کے آٹھ یا دس سال کا قلیل عرصہ اور محترم پرویز صاحب کی بے سروسامانی اور ہر طرف سے شدت کی مخالفت اور پھر تمام دنیا میں ان کے کام کے اثرات جو تیزی سے پھیلے اور مزید پھیلیں گے وغیرہ۔ یہ زندہ مثالیں ہیں۔ یہ سب صرف کردار سے ممکن ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ

''اپنے اللہ کے لئے ایک ایک دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور حالات وکوائف نے تمہیں جس منزل میں رکھا ہے وہیں سے حصول مقصد کی ابتدا کر دو۔ (33/46)۔ تو عزیز بھائیو' بہنو اور بزرگو ہو سکے تو آج سے یہ کردار سازی کا کام شروع کر دیں۔ پھر دیکھئے خدا کا قانون آپ کو کیا بنا دیتا ہے۔ ورنہ ہم کتنی بھی بزمیں دنیا میں بنالیں۔ کسی طرح کی بھی بنالیں' یہ سب کچھ ممفورڈ کے الفاظ میں محض Decorative-Style ہوگا اور کچھ بھی نہیں اور قرآن حکیم کے معیار کے مطابق کہ ''تم نے محض چند نام رکھ دیئے ہیں جن کی حقیقت محض ناموں کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔''

اللہ تعالیٰ آپ کو قرآنی کردار کی تخلیق کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآنی کردار کا دوسرا مطلب ہے کہ نوع انسانی کے لئے ہم روزانہ کیا دیتے ہیں۔ سرمایہ زدہ ذہنیت کا تقاضا ہے ''لینا'' اور زیادہ سے زیادہ لینا' لیکن اس سے کردار مٹتا چلا جاتا ہے' ذات برباد ہوتی جاتی ہے اور انسان پست سے پست ترین حالت کی طرف چلتا چلا جاتا ہے۔ یعنی اسفل سافلین۔ اس کے برعکس جو دیتا ہے یا زیادہ سے زیادہ فلاح نوع انسانی کے لئے دیتا ہے' وہ فلاح پاتا ہے۔ اسی کی نشوونماء ذات ہوتی چلی جاتی ہے۔ یعنی آپ کے سامنے ارجنٹ ترین سوال و معاملہ یہ ہے کہ ''میں دوسروں کے لئے بہتر سے بہتر کیا کر سکتا ہوں؟ What Best I can do for Others?

اور یاد رکھئے کہ جب تک اس سوال کا جواب عملی طور پر آپ کی زندگی سے نہیں ابھرتا' مسلسل و متواتر' آنے والی بقایا زندگی میں' تو کردار نام کی چیز کا خیال بھی دل سے نکال دیجئے اور قرآنی پیغام تو ایسے لوگ پھیلا ہی نہیں سکتے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب سنجیدگی سے بار باران حقائق پر غور و فکر کریں گے اور زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے کہ یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔ اللہ آپ سب کو خوش و خرم رکھے اور آپ کو کامیابیاں عطا کرے۔

پاکستان زندہ باد

ضرورتِ رشتہ

برسرِ روزگار' باکردار' بی۔ اے' ایل ایل بی' ایم سی ایس ای' اے + (ذاتی کاروبار) 28 سالہ نوجوان کے لئے قرآنی فکر کے حامل گھرانے سے لیڈی ڈاکٹر یا بی۔ اے تک تعلیم یافتہ بچی کا رشتہ درکار ہے۔ کراچی کے رہائشی قابل ترجیح ہوں گے۔ خواہش مند درج ذیل پتہ پر بذریعہ خط و کتابت رابطہ کر سکتے ہیں۔

خواجہ محمد اعظم' 5۔ وقار سینٹر' فرسٹ فلور' رام بھارتی سٹریٹ' جوڑیا بازار' کراچی

فون نمبرز :- 021-2437537, 2431045

متفقین تحریک طلوع اسلام کے نام نمائندہ بزم لاہور کا

کھلا خط

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بزم طلوع اسلام لاہور جو ایک مرکزی بزم ہے' سالہا سال سے یہ محسوس کر رہی ہے کہ وہ اپنے دفتر کے لئے مالکانہ حقوق پر کسی مناسب جگہ کا انتظام کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مبلغ تیرہ چودہ لاکھ کی کثیر رقم مطلوب ہوگی لہٰذا اس کے لیے آپ کا عملی تعاون اشد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ وہ احباب جو معاشرتی اعتبار سے اپنی ذمہ داریوں سے کافی حد تک عہدہ برآ ہو چکے ہوں اور ان کے پاس مالی وسائل (خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی' زرعی زمین کی شکل میں ہو یا کسی سکنی پلاٹ کی شکل میں) اور وہ انہیں اس پروگرام کی تکمیل کے لیے پیش کر سکیں تو ان کی یہ مالی امداد ہمارے اس پراجیکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں یقیناً ممد و معاون ثابت ہوگی۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نمائندہ بزم لاہور کا پیشگی شکریہ قبول کیجئے۔

رقم بذریعہ چیک یا بنک ڈرافٹ ارسال کرتے وقت یہ وضاحت ضرور کر دیں کہ مذکورہ رقم بزم طلوع اسلام لاہور کے بلڈنگ فنڈ میں ارسال کی جا رہی ہے۔ اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر 3082-7'

نیشنل بنک' مین مارکیٹ' گلبرگ لاہور

رابطے کے لئے منتظر

محمد اشرف ظفر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف جلیل، کراچی

رپورٹ سیمینار
منعقدہ قرآنک سنٹر صدر، کراچی

یوم پاکستان کے موقع پر بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) کے زیر اہتمام ۳۱ مارچ بروز اتوار بمقام قرآنک سنٹر، صدر، ایک سیمینار منعقد ہوا۔ چیئرمین ادارہ طلوع اسلام محترم ایاز حسین انصاری صاحب صدر محفل تھے۔ سیمینار کا آغاز دس بج کر پندرہ منٹ پر تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت محمد اعجاز صاحب کے حصے میں آئی۔ انہوں نے تلاوت کے بعد آیات کا مفہوم بھی پیش کیا۔ اس کے بعد عزیزہ فرح نے علامہ اقبال کی مشہور نظم ''ہندی اسلام''، پیش کی جس کا مشہور شعر لوگوں کو یاد ہوگا۔

مُلا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

کلام اقبال کے بعد نمائندہ بزم محترم محمد اقبال صاحب نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور بزم کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں آنے والی مشکلات کا ذکر کیا اور اس کے بعد اپنا خطاب پیش کیا جس کا عنوان تھا ''نظریہ پاکستان سے انحراف کے نتائج''۔ آپ نے بتایا کہ پاکستان حاصل کرنے کا جو خواب دیکھا گیا تھا اس سے کس طرح انحراف کیا گیا اور آج معاشرے کی حالت کیا ہوگئی ہے۔ عوام انصاف کے فقدان، طبقاتی تقسیم، حکمرانوں کی، لوگوں کے مسائل سے لاتعلقی اور بہت سے دوسرے مسائل سے دوچار ہیں۔ انہوں نے نظام کائنات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جس طرح کائنات اللہ کے نظام کے تحت نہایت حسن و خوبی سے چل رہی ہے اسی طرح اللہ کا تجویز کردہ نظام انسانوں کی دنیا میں بھی خوشگوار نتائج پیدا کرے گا۔ انہوں نے بتایا کہ تحریک طلوع اسلام بھولے ہوئے عہد کو یاد کرانے کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔

اس کے بعد محترم رشید بٹ صاحب نے جو کمپیئرنگ کے فرائض انجام دے رہے تھے افکار قائدؒ سے کچھ اقتباسات پیش کئے جن میں پاکستان کے لئے اسلامی نظام کے قیام کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سندھ یونیورسٹی کے محترم پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا ''قرآن کریم کی روشنی میں پاکستان کی منزل''۔ اپنی تقریر کے آغاز میں آپ نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک حاصل کرنے کے بعد پوچھا جا رہا ہے کہ مقصد کیا تھا۔ آپ کا خطاب قیمتی تجاویز پر مشتمل تھا جنہیں اگر آئین کا حصہ بنایا جاتا تو آج ہمارا ملک ان گنت مسائل سے دوچار نہ ہوتا۔ یہ تجاویز قرآنی اقدار پر مبنی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ سپریم کورٹ کو چاہئے کہ وہ ملک میں رائج تمام قوانین کا جائزہ لے کر تمام غیر قرآنی قوانین منسوخ کر دے۔ ملک کو اسلامی نظام کی راہ پر چلانے کے لئے جس طرح کے

افراد کی ضرورت ہے انہیں تیار کرنے کے لئے ہمارا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہئے جو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی کرتا چلا جائے۔

اس کے بعد ماہر نفسیات ڈاکٹر علی نصیر عباسی صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔ انہیں جو موضوع دیا گیا تھا اس کا عنوان تھا۔ ''پاکستان کے لئے قرآنی کردار کی تشکیل''۔ آپ نے فرمایا کہ میں مقرر نہیں ہوں کہ اپنی بات سنا کر چلا جاؤں بلکہ میں مغرب میں ہونے والی برسوں کی ریسرچ کے نتائج آپ کے سامنے رکھوں گا تاکہ آپ ان سے استفادہ حاصل کریں۔ آپ نے مختلف ماہرین نفسیات کی تحریروں سے حوالے دیتے ہوئے وضاحت کی کہ قوموں کے عروج و زوال میں جو عوامل اثر انداز ہوتے ہیں ان میں سے سب سے اہم رہنماؤں کا کردار ہوتا ہے۔ ایک لیڈر کا کردار ساری قوم کا مستقبل سنوار یا بگاڑ سکتا ہے۔ آپ نے بتایا کہ 1857ء کے بعد مسلمانوں کی جو حالت زار ہو چکی تھی اس کے پیش نظر یہ تصور کرنا بھی مشکل تھا کہ اب یہ قوم کبھی باعزت مقام حاصل کر سکے گی لیکن سر سید احمد خانؒ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ جیسی شخصیات کا بلند کردار تھا جس نے مسلمانوں کے لئے اپنا وطن حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ قائداعظم کا عظیم کیریکٹر ہی تھا جس نے انہیں انگریزوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی ملاؤں کی مسلسل مخالفت کے باوجود نہایت مختصر عرصہ میں کامیابی عطا کی۔

اسلام کو پھیلانے میں نبی کریم ﷺ کے بلند ترین کردار اور خلق عظیم کا بہت بڑا حصہ تھا اور اسی نہج پر چلتے ہوئے خلفائے راشدین بھی کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریک طلوع اسلام سے وابستہ لوگوں پر زور دیا کہ اگر وہ قرآنی پیغام کو عام کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنی سیرت و کردار کو قرآنی قالب میں ڈھالیں۔

اس کے بعد چیئرمین ادارہ طلوع اسلام محترم ایاز حسین انصاری نے خطاب کیا۔ وقت کی کمی کے باعث انہوں نے اپنے خطاب کو مختصر کرتے ہوئے تحریک طلوع اسلام کی مجبوریوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جہاں کوئی بات سننے کو تیار ہی نہ ہو اور بے جا مخالفت ہو رہی ہو وہاں کیا کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے قائداعظم کی تقاریر کے حوالے سے پاکستان حاصل کرنے کے مقصد کی وضاحت کی اور فرمایا کہ وہ ہمارا عہد تھا جس کو وفا کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

آخر میں چند سوالات کا جواب مقررین نے دیا اور دو بجے کے قریب یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ تمام شرکاء کو رخصت کرتے وقت ایک پمفلٹ بعنوان ''کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟'' اور طلوع اسلام کے دو پرانے شمارے پیش کئے گئے۔ حاضرین کی تعداد ہال میں موجود کرسیوں کے برابر رہی۔ امید ہے اس سیمینار کے مقالات طلوع اسلام کی زینت بن جائیں گے جن سے اور لوگ بھی استفادہ حاصل کر سکیں گے۔

سانحہ ارتحال

بزمِ طلوع اسلام چنیوٹ کے ایک فعال رکن ماسٹر محمد اسلم صاحب مورخہ 12-4-2002 کو وفات پا گئے۔ مرحوم علمی و ادبی ذوق اور شگفتہ شخصیت کے مالک تھے۔ دعا ہے کہ اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ ادارہ ان کے اعزہ و اقارب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ۔گل بہار صاحبہ	بروز منگل	4 بجے شام
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ۔محترم شیخ صلاح الدین' فون۔34699	بدھ	4 بجے شام
اوکاڑہ	برمکان احمد علی 180-A' شادمان کالونی رابطہ۔محترم شیخ احسان الحق' فون۔0442-510718	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
بوریوالا	کالج روڈ' نزد شاہد ہومیو سٹور'	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
پشاور	دفتر محترم عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔کابلی بازار رابطہ فون۔840945	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
پشاور	افغان کالونی' بلاک (بی) حسین خان سٹریٹ' گلی 3' ٹیوب ویل چوک' مین روڈ' رابطہ۔ڈاکٹر بشیر الحق۔	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
پیر محل	مکان نمبر 139/140۔مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا اتوار	9 بجے صبح
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
جہلم	برمکان محترم قمر پرویز' مجاہد آباد' جی۔ٹی۔روڈ	ہر ماہ کی پہلی اور آخری اتوار	9 بجے صبح
جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
چنیوٹ	محترم آفتاب عروج۔مکان نمبر 11/9-W' گنبدوالی کوٹھی' گوجر روڈ' گوجر چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن۔	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
چک 215 ای۔بی	شاہین پٹرولیم' اڈا کوارٹر	اتوار	9 بجے صبح
چوٹی زیریں	محترم ارشاد احمد لغاری' لغاری برادرز' زرعی سروس' ڈیرہ غازی خان	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
حیدر آباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری' B-12' حیدر آباد ٹاؤن' فیز نمبر 2' قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر

	آخری بس سٹاپ ۔ رابطہ فون 654906		
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان	ہر جمعہ	بعد از نماز جمعہ
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114 ' فیضان پلازہ ۔ کمیٹی چوک	جمعۃ المبارک	۴ بجے شام
	رابطہ ۔ چوہدری نثار احمد ۔ فون: 5542985-5774752	اتوار	4 بجے شام
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک	منگل	7 بجے شام
	رابطہ ۔ ملک محمد اقبال ۔ فون: 711233		
فیصل آباد	C-23، پیپلز کالونی (نزد تیز ب مل)	جمعۃ المبارک	3:30 بجے شام
	رابطہ ۔ محترم شریف لون ۔ فون: 544508		
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل	اتوار	9 بجے صبح
کراچی	ڈبل سٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ 36/C،	اتوار	11:30 بجے صبح
	ایریا کورنگی 5 ۔ رابطہ محمد سرور ۔ فون: 5046409	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
	درس کے علاوہ بھی لائبریری کھلی رہتی ہے۔		
کراچی	A-446 کوہ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال ۔ فون: 5892083	ہر اتوار	10 بجے صبح
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ ۔ رابطہ فون: 825736	اتوار	4 بجے شام
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز، رابطہ فون نمبر: 736140	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ)	اتوار	9:30 بجے صبح
ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	5 بجے شام
منگورہ ۔ سوات	ڈیرہ اقبال ادریس، عقب مہران ہوٹل گرین چوک	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
	رابطہ جہانگیر خان، ڈھیری بابا، نزد ایئرپورٹ ۔ فون: 725708-710917		
منڈی بہاؤالدین	کے ۔ ایم ۔ جوہر ماڈل سکول، گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ	جمعرات	2.30 بجے دوپہر
نواں کلی، صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان، معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم ۔ فاروق، محلہ خدر خیل	اتوار	10 بجے صبح

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المراسلات

ریفرنڈم

آج کل ہمارے دانشوروں کی اکثریت ریفرنڈم کی مخالفت میں لکھ رہی ہے۔ مخالفت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ جمہوریت کے منافی ہے۔ ہمارے ملک میں جس قسم کی جمہوریت چل رہی تھی اس میں عام آدمی کا حصہ یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی پارٹی سے جذباتی طور پر وابستہ ہونے کے باعث اس پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دیتا تھا۔ نہ تو وہ پارٹی کے پروگرام سے واقف ہوتا تھا اور نہ اسے اندازہ ہوتا تھا کہ پارٹی کی پالیسیوں کا ملک پر کیا اثر ہوگا۔ منتخب ہونے کے بعد قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران ناجائز دولت جمع کرنے میں لگ جاتے۔ انہوں نے نہ تو عوام کی بہتری کے لئے کبھی سوچا اور نہ ہی ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے۔ ایک پارٹی کے اقتدار میں آتے ہی دوسری پارٹی اسے چلتا کرنے میں لگ جاتی۔ اس کے لئے صدر کو اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے حکومت برطرف کرنے کی دعوت مسلسل دی جاتی اور کبھی فوج سے مداخلت کا مطالبہ کیا جاتا۔ حزب اقتدار سابقہ حکومت کے مقرر کردہ ملازمین کو رخصت کر کے اپنے افراد بھرتی کرتی اور سابقہ حکومت کے شروع کردہ منصوبوں کو منسوخ کر کے نئے منصوبے شروع کر دیتی۔ پھر حزب اقتدار حزب اختلاف بن جاتی اور وہی کھیل شروع ہو جاتا۔ اس دوران ناجائز دولت کو ڈالروں میں تبدیل کرا کے ملک سے باہر منتقل کرنے کا عمل جاری رہتا۔ زرمبادلہ ملک میں آنے کی بجائے باہر منتقل ہوتا گیا اور انتہا یہ کہ لوگوں کی جمع پونجی پر بھی ہاتھ صاف کرنے کے بعد ان کے اکاؤنٹ ہی منجمد کر دیئے۔ یہ سب کچھ جمہوریت کے نام پر ہوتا رہا۔

ملک کو پچھلے 50 سال سے لوٹنے کا عمل جاری تھا تو لوگوں کو ریلیف دینے کی فکر کسی کو تھی نہ جمہوریت کی لیکن جب سے ملک کھوکھلا ہونے کے بعد صدر محترم پرویز مشرف صاحب نے اقتدار سنبھالنے کے بعد بے شمار اقدامات کئے ہیں جن سے اصلاح کا عمل شروع ہوا ہے۔ بعض حضرات کو بہت جلدی ہے کہ نتائج سامنے کیوں نہیں آ رہے۔ کچھ جمہوریت کی رٹ لگائے ہوئے ہیں جیسے یہ ایک جنت تھی جو چھن گئی ہے۔ چلئے مان لیا کہ ابھی تک عوام کو ریلیف نہیں ملا لیکن ان کا مستقبل تو سنور رہا ہے اور ملک بہتری کی جانب رواں ہے نہ کہ تنزلی کی جانب۔ البتہ جن لوگوں کے لئے جمہوریت لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ تھی انہیں تکلیف ضرور ہو رہی ہے۔

اگر دیکھا جائے تو ریفرنڈم ہی ایک صحیح جمہوری عمل ہے جس میں عوام کی براہ راست شرکت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس عوام جن لوگوں کو ووٹ دیتے ہیں وہ منتخب ہونے کے بعد عوام کو نظر انداز کر کے اپنا مستقبل سنوارنے میں لگ جاتے ہیں۔ ریفرنڈم عوام کا براہ راست فیصلہ ہوتا ہے اور میری نظر میں ملک کے آئین اور قوانین کے بارے میں بھی ریفرنڈم ہونا چاہئے اور جو عوام کے لئے فائدہ مند ہو صرف وہی آئین اور قانون کا حصہ بنے نہ کہ اسمبلی میں بیٹھنے والے محدود ٹولے کا تحفظ مقصود ہو۔ یہ لازمی ہے کہ اصلاحات کا عمل جاری رہے اور آنے والی حکومت پھر پرانے کھیل شروع نہ کر سکے۔ اس لئے صدر پرویز مشرف صاحب کا اقتدار میں رہنا ضروری ہے۔ ''جمہوریت'' ملک کی سالمیت اور فلاح سے بہتر نہیں ہو سکتی۔

آصف جلیل، کراچی

☆☆☆☆☆

محترم و مکرم جناب ڈاکٹر شبیر احمد صاحب

السلام علیکم۔

کافی عرصہ سے آپ کی تصانیف کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ فکر و نظر کی ہم آہنگی اور علمی و تحقیقی موضوعات کی یگانگت نے دوریوں کے باوجود آپ کے بہت قریب کر دیا ہے۔ نظام اسلام کے فروغ، ابلاغ اور سیرتِ رسولؐ کے متعارف کرانے میں آپ کی

مساعی لازوال اور قابل صد آفرین ہیں۔ آپ کے تحقیقی موضوعات منفرد اور آفاقی تو ہیں ہی لیکن جویانِ حقیقت کے لیے ان میں راہنمائی کا بڑا سامان موجود ہے! آپ کی تصانیف قلبِ سلیم اور ذہنِ رسا رکھنے والوں کے لئے عطیۂ خداوندی سے کم نہیں ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حضور حقائق و معارف سے آگہی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں ان کے لیے آپ کے افکار ونظریات اور تحقیقی مواد گراں بہا متاعِ رہبری ہے۔

ماہ فروری اور اپریل ۲۰۰۲ء میں ماہنامہ طلوع اسلام لاہور کی جانب سے جناب کارلائل کا انگریزی خطبہ بزبان اردو ''خراج عقیدت'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ انگریزی خطبہ کو آپ نے جس حُسنِ ادا سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے اُس کی آفرین وستائش کے لیے لفظوں کی نہیں روح اور دل کی گدازی کی ضرورت ہے۔ بقول آفتاب عروج صاحب کہ ''ہم نہیں جانتے کہ جناب کارلائل نے کیا فرمایا ہے۔ ہم نے تو مکرمی ڈاکٹر شبیر احمد صاحب کے قلم سے نکلا ہوا خطبہ پڑھا' دیکھا اور سنا ہے۔ ڈاکٹر شبیر صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے جس فصاحت و بلاغت اور طلاقت لسانی سے کام لیا ہے اس کی بدولت اب یہ خطبہ اردو ادبیات عالیہ کی سوغات بن گیا ہے اور ہمارے لیے ایک یادگار''

جناب کارلائل کے جذبوں کو انگریزی لفظوں سے نکال کر جس وجد و مستی اور وابستگی کا مظاہرہ رسالت محمدیؐ کے ساتھ آپ نے کیا ہے وہ عالمی سطح پر فریفتگی وصداقت مسلم کا شاہکار بن گیا ہے۔ خطبے کی زبان و بیان ہر قسم کی لسانیات نثری کے معیار پر نہ صرف پورا اترتی ہے بلکہ شانِ رسالت محمدیؐ کے قدموں سے لپٹی ہوئی وہ گرد معلوم ہوتی ہے جو چشم مسلم کے لیے بصارت افزائی کا باعث ہے۔ جناب کارلائل نے علیٰ وجہ البصیرت نبوت محمدیہؐ کو جس طرح بیان کیا ہے وہ بھی صداقت پر مبنی قلب حزین کی پکار محسوس ہوتا ہے۔ ایک ایک لفظ جذبوں اور تعقل کی میزان میں ذات وصفات محمدیؐ کا مظہر دکھائی دیتا ہے۔ پھر آپ کے قلم سے نکلا ہوا یہ خطبہ ''خراج عقیدت'' وارفتہ کوئل کی صدائے دلگداز لگتا ہے۔ حالِ سرور عالمؐ کو لفظوں کی گرفت میں لانا ممکن نہیں۔ اس کے لیے دبیر چرخ کی صفت خبیریت وعلیمیت کی ضرورت ہے۔ جناب کارلائل کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اردو زبان میں ڈھل کر ہمارے لیے نجد وحجاز کا لالۂ خونچکاں بن گیا ہے۔

دوران ترجمہ معلومات اور بحث ونظر کا اسلوب اپنی مثال آپ ہے۔ روانی خطبہ کو برقرار رکھنے کے لیے ''دستک'' کا عنوان دے کر حصوں میں تقسیم کرنا اور پھر ہر دستک کی ابتداء کا خطابیہ انداز چشم تخیل کو وا کر دیتا ہے۔ جناب کارلائل سامنے کھڑے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ خطاب کا دورانیہ بڑھنے کے ساتھ چراغوں کی لو اور شام کے ملگجی اندھیرے کا ذکر اور پھر حاضرین کی محویت کا بیان جس انداز سے کیا گیا ہے وہ روح کو ابدیت آغوش سکون سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ ہر دستک قلب مشتاق پر یوں لگتی ہے کہ جیسے خاکِ مدینہ کے ذرے جگنو بن کر زندگی کی تاریکیوں میں جگمگا اٹھے ہوں۔ ہر دستک میں جناب کارلائل کی جانب سے اقرار و اصرار نبوتِ محمدیہؐ بیانیہ اسلوب کا شاہکار اعظم ہے۔

قربان ایسے ذکرِ محمدؐ پر جو جناب کارلائل کے ذہن و قلم سے بوقت شام اس طرح ٹپکا کہ جیسے شبِ قدر میں روح الامین کی پرواز جاری ہوگئی ہو۔ اور قربان ایسے اسلوب ترجمہ پر جس کے ذریعے ایسی سوغات اردو زبان وادب کے ذریعے ہم تک پہنچی' ایسا اسلوب ترجمہ رب ذوالجلال کی طرف سے انسان کے لیے قوت بیان واستحسان کا مظہر بن گیا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قوت زبان و بیان اور قلبی وذہنی صحت جاوداں سے نوازے۔ ہم زندگی کی تاریک راہوں پر تھکے ہارے واماندہ رو لوگ ہیں جنہیں فکری ونظری اور دنیوی رہبری کی ضرورت ہے۔ ایسی رہبری جو قرآن کی میزان اور سیرت رسولؐ کے معیار پر پوری اترتی ہو۔ اللہ کرے آپ کا دستِ خضری ہمیشہ ہماری دستگیری کرتا رہے۔ اس سے پہلے بھی آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ یہ میرا دوسرا خط ہے۔ اگر آپ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا خط میرے نام ارسال فرمائیں گے تو اسے اپنی زندگی کا حاصل جان کر توشۂ آخرت سمجھ کر محفوظ کرلوں گا۔

فقط خیر اندیش

پروفیسر سید اعجاز احمد

ریلوے روڈ' جھمرہ سٹی' تحصیل چک جھمرہ' ضلع فیصل آباد

PAMPHLETS -- پمفلٹس

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

فی پمفلٹ قیمت 1 روپے ڈاک خرچ فی پمفلٹ 4 روپے کے حساب سے بھیج کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- ....
3- اسلام کیا ہے؟
4- ....
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- ....
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- ....
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- ....
14- ....
15- دوقومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- ....
18- ....
19- ....
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائد اعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافرگری
27- ....
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی ﷺ
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure?
36- Why Islam is the Only True Deen?
37- Parmanent Values
38- اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟
39- انسانیت کا آخری سہارا
40- پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
41- نماز کی اہمیت
42- ہم عید کیوں مناتے ہیں؟
43- Why Do We Lack Character?
44- ہندو کیا ہے؟
45- قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!
46- ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟
47- اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں
48- اے کشتۂ سلطانی وملائی و پیری
49- قیامت موجود
50- اسلام اور مذہبی رواداری

Let us understand, what we have read so far:

1. Those statutes of the Quran that have been given in concrete form, they will have to be promulgated in the same way.

2. Those orders of Quran that are only in principle, ought to be elaborated by the Islamic Authority of every period, which shall be governing in the foot steps of Caliphate during Messenger's times.

3. Quranic facts and science, shall unfold as human mind advances. This is concerned with personal speculations, which should not be imposed on another person's thoughts.

4. Now the question as to what must be done until the Islamic Authority is being established. On this issue, my policy remains that the *ummah*, should adhere to its conventional ways as are being practiced in their traditional ways. I myself confine to these laws, since no individual or group has any right to modify or devise new ways in these laws. This right only belongs to the Caliphate in the manner of the Nabi, *'Khilafat ala minhaj e nabuwat'* whose central authority I call *'Markaz e Millat,'* as Hazrat Abu Bakr[R] was *'Markaz e Millat,'* in those days.......! Ws'salaam!

****

way, and I can say it with full conviction, on this issue there remains neither any confusion nor any complication. Neither any contradiction nor any controversy. As I mentioned before, Quran only gives principles of some commands and sometimes narrates on the details. Whether it states principles or narrates details, the language of the Quran is very clear and open (*for those who want to think*). To transform these commands in a constitutional language and promulgate, is the duty of Islamic government of every period. Quran does not leave the law at the individual's disposal, but gives it to the Islamic Authorities. By this issuing authority, the injunction is considered applicable to the whole nation.

LEGISLATION:

For example, you mentioned about drinking and gambling. If we take the root meanings, then *Kh'mr* (alchohol) in Arabic principle would mean anything that covers your mind, and *Mee'sra* (gambling) in Arabic means, anything you can procure easily without labour. Taking its established form, there existed different types of gambling and liquor varieties, during the revelation of the Holy Quran, as we gather from the literature of those days. Some of those types still exist today, while others have become extinct and new types have emerged with the times. Hence any Islamic Authority that puts a ban or prohibits gambling and drinking of alchohol, shall have to categorically define the virtual and factual meanings of *Kh'mr* and *Mee'sra* first, as we have done above. They will have to define which types are illegal and those that are exempt. On this issue, the governing authority shall take the aid of those details, that were enacted upon by previous systems. This law shall be the real and practical shape of the words of the Quran. That is how, there shall be no doubt about right or wrong, on neither mine or anybody else's verdict.

Now, as to that portion of Quran that deals with sciences, as knowledge of humankind expands, the meanings of those words shall also unfold vaster horizons before us. Quran's words hold this distinction and marvel of being a light house to every level of mind and in every period of history. As human mind becomes more enlightened, the words of Quran will show us wider and vaster vistas. That is the reason, man in every period of history, can understand the meanings of Quranic facts, congruent to contemporary knowledge of his era. That also is the reason why nobody can, on his Quranic speculations, debate with his contemporaries, nor can anybody declare his decision as the last word for posterity.

As far as Messenger's explanation of Quran is concerned, he did not give any compiled copy to the *ummah*. Whatever, in this connection, is being attributed towards the Messenger, has already been quoted in the previous pages of this book. By no means, can those explanations of the Quran be claimed, to belong to the Messenger!

and so quote has the exact words of the Messenger? The type of compilation that you have in mind about *ahadith*, you will only be able to say in the end, that you suspect the Messenger might have said like that. How can yours or my speculations, be abided by myriad and thousands of human beings? My dear reader, no collection of *ahadith* can ever become *Deen*, albeit, it is the consequence of the scholarly endeavours of our ancestors, that we have inherited this treasure of *ahadith*. Through these scholarly endeavours, we can obtain humongous information of that period. I never have and never will ever, deny this philanthropic status of our *ahadith*. How much valuable has *ahadith* been to me, you yourself have mentioned in your letter that my publication '*Miraj e Insaniyat*' stands witness.

Before moving on I would, once again, like to elaborate, what I only want to understand is:

1. If the nitty-gritty of all orders were meant to remain immutable, why then Allah^{SWT} not compile the details Himself in the Quran? And
2. If it was the Messenger's desire, that his orders must remain immutable for all times to come, why then did he not, give it in a compiled form to the *ummah*, as he did in his case of the Quran.

Now to answer your question, that if we remain dissident on *Hadith*, it shall give rise to ambiguities about Quran as it is , in the hands of *ummah* today. Concerning this matter, we have explained in detail, in our Tolu e Islam monthly periodical of September 1950. The Messenger had had the Quran written, compiled and presented it in a preserved shape. (Refer to, 'Heavenly Books on World Religions,' published by Tolu-e-Islam.) It is hoped, on this issue it shall satisfy your rationale. It has already been discussed in it, as to the image our traditions have projected about Quran.

MEANING OF QURAN:

Your second question is related to establishing the meaning and understanding of the Quran. In order to understand any book, first of all we must learn the language of the book. Quran has been revealed in the vast language of Arabic. It declares itself of being vivid and explanatory in its meanings. So as far as language is concerned, there ought to be no problem in understanding the Quran.

After its language, let us look at the contents. The knowledge of the Quran can be divided into two kinds. One category consists of statutes, whereas the other is concerned with sciences. That portion of the Quran that deals with statutes, since it is linked with law, needs to be fully understood. Quran also declares, that it elucidates its own meanings and by its method of repeating a point in varied ways (called *tasreef e aa'yaa* in Arabic), it continues to unfold its details. That is how Quran has established the meanings of its commands. I have myself understood the Quran in this

of all *ahadith* and ask the erudite scholars to compile a collection of authentic *ahadith*; *c'est a dire,* (God forgive us) the Messenger committed a blunder by not leaving behind him any collection of his sayings and deeds *per se*. That he ought to have done so and did not do. Now this task must be finished by the learned scholars. My respected brother! For me the being and personality of his Holiness, the Messenger of Allah^{SWT} is above and beyond all this. We must not even faintly think in our minds, that the Messenger ought to have fulfilled his duty but did not do so, of delivering *Deen* completely to his *ummah*. In order to fill this hiatus, even Imam Bokhari's (*rahmat ullah alay*) unsuccessful attempts could not complete. Now, what is left incomplete must be attempted by an individual or a group. At least, I do not find in myself the courage to conceive these matters this way, my whole being shakes and my heart pounds at such a thought. I am in the strong belief and conviction, if the Messenger deemed cogent, that his formulated details are going to be abided by till doomsday by the *ummah*, he would have had little difficulty in compiling them.

Making *Deen* dependent on individual efforts, is on the one who has bestowed this *Deen* to humanity (that is God Himself), and on the one who has delivered this *Deen* to us (His Messenger), an indelible stigma and blame. I therefore understand:

1. Those details which God did not formulate, it was God's own decision, that they must change, as they have to be congruent with the changing environment. And
2. Those details which the Messenger devised, it was not his desire also, to let them remain immutable for all times. That was why he did not give it to *ummah* the by-laws in a compiled form. In fact, he put a censure on its publication.

In the light of these arguments, the question does not arise on my affirming or denying of *ahadith*, that is in your mind. Let us suppose, that we do compile, after selection, a collection of *ahadith*. How can anyone say that these *ahadith* are the real commandments of the Messenger? And that every Muslim has to abide by these chosen *ahadith* and to cease to abide by those that have been relinquished. Please do tell me, what is your concept of *Deen*? Let us say, for example, it is *Deen's* command, that so and so relative, has to get that much amount of share from the deceased person's property. Now if somebody does not divide the share accordingly, in our belief, he is committing a sin in the eyes of Allah^{SWT} and deserves to be punished. On such an important issue, is it not imperative, we ought to know and be convinced, what our *Deen* commands?

DEEN IS DEPENDENT ON BELIEF:

Belief is the nucleus, around which the whole *Deen* revolves. Please tell me, do you have any source, by means of which you could say with conviction, that so

WHERE MUST THE UMMAH SEARCH FOR IT NOW?

You mentioned, the details formulated by the Messenger are applicable for all times, and you ask, where should they be searched? This is what I am asking you! You wrote, those details can be found in the *hadith* collections that we have. At the same time you also say, these must include both the *ahadith*, authentic and incorrect ones. Where does this argument lead to….. that Allah[SWT] left the matter for His Messenger to resolve; the Messenger (according to you) did not give us the full details. Those details that he did formulate, he did not, like the Quran, preserve it for us. Now where must the *ummah* search for those details that we are supposed to abide by, for all times to come? Just think please, is this the state in which any complete Code of Law should be? A code has been made mandatory to abide by, and no complete documented manual has even been compiled yet.

I want to understand, if those details that were formulated by the Holy Messenger, for all times and were meant to become immutable, then was it not the duty of the Messenger to have them compiled or memorized, and give it to *ummah* in solid form, just as was done in the case of Quran?

Please concentrate, according to your way of thinking, what kind of concept are we projecting about the personality and traits of His Holiness the Great Messenger? It is the first and foremost duty of a Messenger, as we sense from the Quran, to deliver *Deen* to the *ummah.* Is it by any means justifiable, not to deliver a large chunk of *Deen* and then call it to be the faithful obedience and transmission of *Deen*?

According to *ahadith* we cannot find one single manner of offering our prayers. The different cliques in the *ummah* offer prayers according to different modes. And each and every clique claims to be in the foot steps of His Holiness Messenger Muhammad[PBUH]. Is it possible by means of *Hadith*, to unite and form a single mode of offering prayers that is in accordance with the manner of Messenger.

You consider these details (by-laws), compiled by the Messenger as immutable and permanent till the end of times. You also say these details that exist in the collections contain weak *ahadith* also. The compilers of these *ahadith*, Imam Bokhari and other honorable authors, were human beings. Being human they were prone to err. To resolve this predicament of mistakes, it is being suggested that Parwez and his co-thinkers are supernatural. As if now, in the final and latest sifting, they will not commit any mistake?

I further want to question, what authority did Imam Bokhari *(rahmat ullah alay)* have, to say that the *ummah* has to abide by such and such command of the Messenger, till the end of times? For that matter, what authority does Parwez or any other has today, on the basis of which they can challenge? To accept the confirmation

till doomsday, the amount of *zakaat* of two and a half percent and make it immutable, then what restrained it from doing so? I fail to understand, that if it was Allah's desire, to fix the amount of *zakaat* to 2 ½% for all times to come, then why could He not put the words in His Quran? We only reach one conclusion on this matter. It was not Allah's desire to do so, that is to fix the amount of *zakaat* for all times to come!

What you have said in your letter, that it was Allah's will to fix the amount of *zakaat* for all times, but He did not deem it feasible to do so. Instead he left this work for the Messenger to finish. Consequently, whatever amount the Messenger had fixed in his times, has become permanent till doomsday.

Now lets move on. You have furthermore written, when we cannot find an answer, either in Quran or in the deeds and sayings of the Messenger, in that case the *ummah* will have to formulate after speculation, its own laws. What this, in other words means is that:

- Quran has formulated the details on certain laws and left the rest of the details on other laws for the Messenger to formulate.
- The Messenger also formulated some details and left the rest incomplete. Now these left over laws, need to be detailed by the *ummah* itself.

In other words, it means *Deen* has neither been completed by God, nor did the Messenger finish his task. Some clauses of laws have been formulated by Allah and some by His Messenger and the rest of incomplete portion has been left for the *ummah*. Just imagine...the type of picture that is being painted about *Deen*. If Allah^{swt} had left this task for His Messenger to complete, then what hampered the Messenger from carrying out his duty of formulating the details. At this stage, our *fiqa* (Islamic jurisprudence) takes over. What they are saying is, those laws that have been left incomplete by Allah and His Messenger, have been completed by the heads of *fiqa*. Hence they say, the details of those laws, that are neither found in Quran nor in *ahadith*, ought to be sought from the Imams of *fiqa*. And if we cannot even find the answer in *fiqa* then.....?

Have you descried, just by overlooking one main point of Quran, how the *ummah* has involved itself in a rigmarole? This abracadabra has completely dissipated man's mental faculties. What Quran is conveying to us is, that those details which Quran did not formulate, it did not do so on purpose. The Quran did not want to freeze those details. It wanted those details to be formulated according to the changing conditions of the times. Otherwise, if Allah^{SWT} desired to make these details immutable, as is the case with some of His other laws, nothing could have come in His way of doing so!

some standard, by virtue of which we can say, the meanings that we have construed are correct or not.)

Under these circumstances, I would suggest that you must go through all the *ahadith* and separate the correct ones from those that are not!

RESPONSE!

We are in the belief, that Holy Quran has been revealed for the guidance of all mankind, and its light shall remain effective till the end of times. Obviously, for this type of resource guide, it was not possible to give all kinds of laws and by-laws. That is why, Quran's mode of guidance is:

1. It gives the fundamental laws, upon which, the by-laws of the social setup can be made. As the details of human interaction change with the times, so will the by-laws contrived from the fundamental laws, change with the new environment. Hence it means, the Islamic nation of every age, shall frame its own details of by-laws based on the fundamental laws. While framing these by-laws, it can take support from precedence.

2. Quran has on some issues, also legislated details of by-laws. These details, that are in the Quran are also permanent and immutable, since nobody has the right to change Quran.

You have mentioned in your letter, that for details of matters that are not in the Quran, we ought to look for them in *ahadith*. If we succeed in getting the details from the *ahadith*, we must put a seal on them for all times to come, just like those other details that have been sealed in the Quran. What I am trying to understand is, as to why does the Quran distinguish in giving us details only of certain issues? *C'est a dire*, why does it give us details only of some issues and leaves the rest for the Messenger to legislate them? If those details that have been framed by the Messenger, were meant to remain for all times, then why did the Quran not preserve them instead? This way we could have had all the preserved laws in one place. Was it not possible for Allah[SWT] to carve those details Himself? Would that have made the volume of Quran unmanageable? Plenty of times, Quran repeats '*aa tu'zakaata*.' Could it not add even in one *ayaat*, the words 'two and a half percent?' It has given us a detailed account for punishments on rape, sexual intercourse, and even for false accusals. Could it not carve out two words for the punishments of Kh'mr (alchohol) and Mee'sra (gambling). Quran details the whole procedure of *wadhu* (ablutions) in one *ayaat*. It has even explained the complete meanings of '*ta'yumum*,' and its significance. It has, on the vast and elaborate subject of inheritance, explained all the details in only four *ayaat*. There is not a single clause on this topic, that a person cannot take guidance from these laws. Please do consider, if Quran meant to preserve

meanings '*using people*,' from this *ayaat*? What I am attempting to drive at is, how our personal inclinations, justify the meanings we extract from the Quran. You are blaming the former interpreters of Quran. You cannot condone yourself from this blame. A common person, who has not been exposed to 'divine revelation' has only the option of using his own mind. At this stage of understanding Quran, when the message is uncertain, one is faced with a peculiar kind of predicament. For example, in the entire Islamic history, the Quranic words, *'Ho wallah ho ahad'* have never had any controversy. On the contrary, لکم دینکم ولی دین '*La kum deen'aa kum, wali deen'ee,*' have remained mostly controversial. If you accept these examples, then what would you say to the following analysis:

1. Are all the meanings of the *aa'yaa* of Quran, in the style of *"Ho wallah ho ahad"*?
2. If the answer is in the positive, then why is there a debate on various other *aa'yaa*, when there is no controversy in the meanings of *"Ho wallah ho ahad"*?
3. If the answer to #1 is in the negative, can we claim levee for honest doubters? In other words, is it possible to extract substitute meanings from Quran or not, even if we consider this possibility as hypothetical?
4. In case there is a possibility of having substitute meanings of an *ayat*, then can both the meanings be correct. Or just one meaning is correct and the other incorrect. If both meanings have been taken from the Quran, in that case what would be the standard of judgement of true and untrue meanings?
5. When it is being said, the meanings of Quran ought to be searched in Quran itself, are you connoting, the roots of Quranic words, for example words like, *Kh'mr* (alchohol), *Mee'sra* (gambling) must be sought in Holy Quran itself or should we look for their meanings in the Arabic literature of those days? In case there are one to many meanings in Arabic books, then which method must we adopted to get to the true meanings?
6. If the consequences are dependent on Arabic language, then will the Arabs of today understand the Quran better, or those Arabs that belonged to the days of Quranic revelations?
7. Can we not conclude, that to look for the meanings of Quran's words, we have to seek guidance from the Messenger, his companions[R] or disciples[R]? (I am, by no means, insinuating these arguments towards ancestral worship. At the same time, I desire, at least there should be

Numerous problems that are arising, and those in future that are bound to emerge, in our collective and individual lives, are not detailed in the Quran. In my personal view, Holy Quran is not for legislating laws, it is for the purpose of creating legislators. There is only one basic principle in Islam, that is of *Tau'heed* (unity). But we are not arguing on this principle, rather we want to know the principles of Life, that are also called '*Sha'riat*.'

Islam has given us emergent laws on marriage and divorce. Perhaps because either these matters needed immediate attention, or maybe Quran wanted to be an example for law makers. But for those requirements, that were faced afterwards, Quran does not prohibit law making. If Quran forbids the making of new laws, in that case our *Ijtehad* (making of by-laws within the fundamental laws and values to meet a new situation.) becomes futile. Therefore, if there are no laws in the Quran for all our requirements, but facilities are provided for legislation, then besides Quran, we can also take support from the sayings and deeds of the Messenger. As the Quran reveals, the Messenger, because of his leading position in humanity, was familiar with hereafter. We are duty bound to accept the laws that he created. Since the meanings which the Messenger understood of Quran, are closer to being perfect, as compared with you, me or what somebody else understands that are not correct. Albeit, when the Quran or the sayings and deeds of the Messenger, do not provide us with an answer; it is obvious the *ummah* after speculation, shall have to make their own laws. If we agree so far, then please let me know, where are you going to look for the deeds and sayings of Holy Messenger? You will say, we can only find them in *ahadith* and traditions. After all we can only search them, in *ahadith* and traditions. In these circumstances, how can you deny *ahadith*? Granted, that in *saha sit'aa*, as Imam Bokhari was only human and to err was only human of him, we do come across numerous weak *ahadith*. For this, the answer must not be to abandon the whole collection of *ahadith*. If certain parts of the body are impaired, that does not, by any ways mean that we should murder the individual. My understanding is that *ahadith* and traditions are indispensible. You yourself have made use of them, in your book '*Miraj e Insaniyat*.' Just think – if *ahadith* and traditions are denied, then we shall begin to have doubts about Quran also. After all, it is only from traditions that we know, the Quran we have today, was compiled by the Holy Messenger.

In my view, you and those who think like you, must utilize your sublime wisdom and capabilities, to sift through and find the untrue *ahadith* in *saha sit'aa*. The menace that is imminent and we fear may arise when denying *ahadith*, can be eschewed. We shall also wash away old threatening dangers.

Since you deny *ahadith*, that is why your policy is, to extract the meaning and interpretations of Quran from the Holy Quran itself. You usually quote this *ayaat* 'اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَه' of Quran in your defense. Please tell me, why can you not take the

THE STATUS OF HADITH...

A CORRESPONDENCE

Translated By

Aboo B. Rana

****

We desired that in the end of this book, to give you a summary of what you have read in the previous pages. In the first edition, we published a letter on this subject, that was written by a learned friend of Allama Parwez. We also wrote an answer to that letter. We are of the opinion, that in order to bring in a nutshell, the discussions we went through, correspondence is the best method. First of all we will take that portion from this letter, that concerns Quran and Hadith, after that shall follow the answer to the letter.

****

SUMMARY OF THE LETTER TO MR. PARWEZ:

As far as I could understand, your basic concepts are:

1. That all principles of Islam, must be derived from Quran.
2. No *ayaat* of the Quran can be over-ruled.
3. The majority of *ahadith* in *saha sit'aa* are weak. For this reason we cannot depend on our traditions and *ahadith* collection, in order to make the principles of *Deen*.
4. Those *ahadith* that tally with the Quran can be considered authentic, otherwise the rest are all weak and untrue.

I am in agreement with clause #2 and #4. Concerning #1 and #3 I want to say that we accept, the Holy Messenger is the last in line of all divine Messengers, also that there shall be no other messenger, who will come after him in future. Would you say that from the sixth century till the end of times, all the various requirements of mankind, be it social, political, economical or physical, or those that we shall confront, are present in the principles of Holy Quran? There is absolutely no doubt, the primary source of the law of life for a Muslim, is Quran! For all intents and purposes, we have to derive all our laws from this book.

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No. CPL-22
VOL:55
ISSUE 5

Monthly
TOLU-E-ISLAM
25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers,
Air Conditioners, Fluorescent Lamps,
High Pressure/High Intensity Discharge Lamps,
and,
Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468,
Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com